وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۲ شمارہ نمبر ۲ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ ستمبر 2024ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 27-6514526-6514525-061 فیکس نمبر 6539485-061

Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان

شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

مدارس کی آزادی وخودمختاری	شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	۳
اعلامیہ اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان	ادارہ	۹
مدارس رجسٹریشن اور اصل حقائق	شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم	۱۳
دینی مدارس کی رجسٹریشن، اصل مسئلہ کیا ہے؟	مولانا عبدالقدوس محمدی	۱۹
قرآن حکیم کی عظمت	حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ	۲۲
اسانید حدیث میں وارد حرف ''حا'' کی تحقیق	مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود	۲۹
ارض رباط (شام وفلسطین) احادیث کی روشنی میں	مولانا فیصل احمد ندوی	۳۷
مبارک ثانی کیس، وہی فیصلہ وہی استدلال	محمد عرفان ندیم	۴۳
مخلوط تعلیمی نظام کے مضر اثرات	مولانا محمد صادق مظاہری	۴۴
پانی چوس کنووں کی اہمیت اور افادیت	عبدالمالک عباسی	۴۸
استاذ القراء مولانا قاری محمد اسحق رحمہ اللہ	مولانا محمد ازہر	۵۱
تعارف وخدمات وفاق المدارس العربیہ پاکستان	مولانا عبدالمجید خان	۵۵
روداد اجلاس منتظمین مدارس ضلع پشاور	مولانا مفتی سراج الحسن	۶۱
تبصرۂ کتب	محمد احمد حافظ	۶۳

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ:40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ:540 روپے

صدائے وفاق

دینی مدارس کی آزادی و خودمختاری کا ہر قیمت پر تحفظ کریں گے

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مورخہ ۳۰ر جولائی ۲۰۲۴ء منگل کے روز جامعہ دارالعلوم کراچی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کی صدارت میں ''اتحاد تنظیمات مدارس'' کا غیر معمولی ہنگامی اجلاس ہوا، جس میں اتحاد میں شامل بورڈز کے سربراہان اور نمائندگان نے شرکت کی۔ اجلاس میں عمومی مسائل کے جائزے کے علاوہ دینی مدارس کے متعلق ''ڈی جی آئی ایس پی آر'' کے بیان کا جائزہ لیا گیا اور اسے اتفاق رائے سے رد کر دیا گیا، اس سلسلے میں متفقہ اعلامیہ بھی جاری کیا گیا؛ جو ماہنامہ وفاق المدارس کے اسی شمارے میں شاملِ اشاعت ہے۔ اتحاد تنظیمات کے اجلاس کے بعد کراچی پریس کلب میں پریس کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ پریس کانفرنس کے موقع پر اتحاد تنظیمات مدارس کی مرکزی قیادت اسٹیج پر موجود تھی جن میں شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہم کے علاوہ شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری، مولانا مفتی منیب الرحمٰن ،مولانا امداداللہ یوسفزئی، مولانا عبدالمالک ،مولانا عبیداللہ خالد، مولانا یاسین ظفر، مفتی محمد یوسف قصوری ،صاحبزادہ محمد ریحان امجد نعمانی، علامہ شبیر حسن میثمی شامل تھے۔ پریس کانفرنس سے صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے اکابر علماءِ دیوبند کی جراءت مندانہ روایات کے مطابق دینی مدارس کا مقدمہ بھرپور انداز میں اہل اقتدار اور عوام کے سامنے رکھا۔ یہ خطاب قارئین ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کے مطالعے کے لیے پیش خدمت ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وعلیٰ کل من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین

آج اتحاد تنظیمات مدارس کی جانب سے جو اعلامیہ مرتب کیا گیا اس میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور دینی مدارس کے سربراہان شریک ہوئے۔ اور اس وقت بھی وہ آپ کے سامنے موجود ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ دینی مدارس کے بارے میں ملحدین اور سیکولر لوگ ہیں وہ تو منفی پروپیگنڈہ کرتے ہی رہتے ہیں، لیکن افسوس کہ ہماری ریاست کے ذمہ دار ادارے، اور عسکری اداروں کے اندر بھی کئی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اس کا اظہار پچھلے دنوں آئی ایس پی آر کے سربراہ نے کیا، جو آپ کو معلوم ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ شکایت کرتے ہیں کہ پچاس فیصد مدارس کا کچھ پتا ہی نہیں کہ انہیں کون چلا رہا ہے؟۔ یہ شکایت ان حضرات کی طرف سے آرہی ہے جو زمین کے اندر چھپی سرنگوں کا پتا چلا لیتے ہیں اور اُڑتے ہوئے پرندوں کے پر بھی گن لیتے ہیں، لیکن

ان کونہیں معلوم کہ پچاس فیصد مدارس کون چلا رہا ہے؟۔

درحقیقت ایک طرح سے ان کا الزام یہ ہے کہ مدارس کسی قانون کے تحت رجسٹرڈ نہیں ہیں، اس کی حقیقت میں آپ کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

تمام مدارس دینیہ جب سے قائم ہوئے ہیں ؛وہ سوسائٹی ایکٹ کے تحت درج ہوتے تھے ،رجسٹرڈ ہوتے تھے، اور ہوتے چلے آ رہے تھے۔اس میں کوئی الجھن اور پریشانی نہیں تھی، تمام مدارس رجسٹرڈ ہو رہے تھے۔

ایک زمانے میں حکومت کی طرف سے مدارس کی رجسٹریشن بند کرنے کا اعلان ہوا، اور اس کے نتیجے میں اس قانون کے تحت مدارس کو رجسٹرڈ کرنا بند کر دیا گیا۔ہزار کوششیں کی جا رہی ہیں کہ کسی طرح رجسٹریشن ہو، لیکن پابندی ہماری طرف سے نہیں ، ہمارا تو مطالبہ ہے کہ مدارس کو رجسٹرڈ کیا جائے ،لیکن پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ یہ مدارس رجسٹرڈ نہیں ہیں۔اس لیے رجسٹرڈ نہیں ہیں کہ حکومت نے پابندی عائد کی ہوئی ہے۔اور اس کی وجہ سے رجسٹریشن بند ہوگئی ، نہ صرف رجسٹریشن بند ہوگئی بلکہ دینی مدرسوں کے بینک اکاؤنٹ بھی بند کر دیے گئے۔

آپ بتائیے کہ بینک اکاؤنٹ بند کرنے کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہوگا کہ مدارس کیش ڈیلنگ نہ کر سکیں، اور کیش ڈیلنگ نہ ہونے سے کیسے پتا چلے گا کہ انہیں پیسے کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں خرچ ہو رہے ہیں؟۔

ہمارا ہمیشہ سے مطالبہ رہا ہے کہ ہمارے مدارس کے بینک اکاؤنٹ کھولے جائیں، ان کو مینٹین کرنے دیا جائے ، اس طرح مدارس میں آنے والے پیسے شفاف طریقے سے خرچ ہوں گے۔

ہم نے اس بات کی بھی بار بار ضمانت دی ہے کہ اگر کسی مدرسے میں کوئی غیر قانونی بات ہو رہی ہو یا خدا نہ کرے وہاں ریاست کے خلاف کوئی جاسوس آ کر پناہ لیے ہوئے ہو۔ہمارے وفاق اس پر فوراً کارروائی کے لیے تیار ہیں۔اور ہم نے جہاں تک ہوسکا کارروائی کی بھی ہے۔اور یہ صرف مدارس میں نہیں کالجوں، یونیورسٹیوں میں بھی ایسے عناصر موجود ہیں ؛اور ان میں بھی بعض اوقات دہشت گرد عناصر داخل ہوجاتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کالجوں یونیورسٹیوں کو بند کر دیا جائے ، ان کی رجسٹریشن بند کر دی جائے ، ان کے بینک اکاؤنٹ بند کر دیے جائیں، لیکن مدارس کے ساتھ جو سلوک ہے ، انہوں نے کہہ دیا کہ پچاس فیصد مدارس کا ہمیں اتا پتا ہی نہیں کہ ان کو کون چلا رہا ہے؟۔

یہ کیسے پتا چلے گا جب آپ انہیں رجسٹرڈ ہی نہیں کر رہے۔جب آپ ان کے بینک اکاؤنٹ نہیں کھولتے ، کہ اس کے ذریعے پتا چلے کہ پیسے کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں خرچ ہو رہے ہیں؟

آپ بتائیے کہ کوئی ادارہ جو رجسٹرڈ نہ ہو، جس کے بینک اکاؤنٹ بند کر دیے گئے ہوں ، وہ کس طرح اپنے

معاملات کو شفاف رکھ سکتا ہے؟

دوسری بات کہ یہ پروپیگنڈہ بہت شدومد کے ساتھ کیا جارہا ہے کہ مدارس کے اندر عصری علوم پڑھائے جائیں، اور یہ مدارس کے اوپر گویا سب سے بڑا داغ ہے کہ مدارس میں عصری علوم کی تعلیم نہیں دی جاتی۔

پہلی بات یہ ہے کہ ملک میں ڈھائی کروڑ انسان ایسے ہیں جن کو الف، با، تا نہیں آتی۔ خواندگی کی شرح انتہائی نیچے گری ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں آپ کو فکر نہیں ہوتی کہ وہ عصری علوم پڑھیں، ریاضی اور سائنس پڑھیں، لیکن جو مدرسے کے اندر علوم دین حاصل کر رہے ہیں، علمِ قرآن اور علمِ حدیث حاصل کر رہے ہیں؛ ان کے بارے میں آپ کو فکر ہے کہ پہلے عصری علوم پڑھیں پھر آگے جائیں۔ ڈھائی کروڑ انسان بغیر تعلیم کے پھر رہے ہیں؛ ان کی آپ کو فکر نہیں، لیکن مدارس کے اوپر زور ہے کہ یہ عصری تعلیم کیوں نہیں دیتے ؟!۔

حقیقت یہ ہے کہ مدارس کے اندر عصری علوم پڑھائے جا رہے ہیں، اور ہم خود اپنی ضرورت کے مطابق عصری تعلیم دے رہے ہیں۔ اور اسے آگے بڑھانے کا پروگرام بھی موجود ہے؛ تاکہ جب کوئی طالب علم دار العلوم، جامعہ یا مدرسہ سے فارغ ہو تو وہ ایک طرف جہاں علوم دین کا حامل ہو وہیں حالاتِ زمانہ سے بھی واقف ہو۔ لیکن یہ خوب سمجھ لیجیے کہ دنیا کے اندر کوئی ادارہ نہیں ہوسکتا کہ وہ سارے علوم کسی ایک آدمی کے اندر جمع کر دے۔ وہ ڈاکٹر بھی ہو، انجینیر بھی ہو، وہ عالم بھی ہو، وہ لائر بھی ہو۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ دنیا کے اندر ہر علم کی قسمیں ہیں، ان میں اسپیشلائزیشن ہوتی ہے۔ اسی طرح دینی مدارس بھی اسلامی علوم میں اسپیشلائزیشن کراتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ کوئی یونیورسٹی، کالج، یا کوئی اسکول حافظ پیدا کر رہا ہے؟، جب رمضان المبارک میں تراویح کے لیے حافظ کی ضرورت ہوتی ہے تو کیا کسی مسجد کو آپ نے اعلان کرتے ہوئے سنا کہ ہمیں حافظوں کی ضرورت ہے لے کر آؤ؟!۔ یہ سارے حفاظ جو پورے پاکستان میں تراویح پڑھاتے ہیں؛ یہ کہاں سے پیدا ہو رہے ہیں؟ کسی کالج سے؟ کسی اسکول سے؟ کسی یونیورسٹی سے؟ یا مدارس سے پیدا ہوتے ہیں؟!۔

آپ یہ بتائیے کہ کسی شخص کو مسئلہ معلوم کرنا ہو، نکاح، طلاق کا، کیا حلال و جائز ہے اور کیا حرام ہے؟ اس کو بتانے کے لیے کسی کالج یا یونیورسٹی میں انتظام ہے؟۔ لیکن واحد دینی مدارس ہیں جو یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ایسے علماء تیار کر رہے ہیں جو وقت پر لوگوں کو شریعت کے حکم سے آگاہ کر سکیں، اور لوگوں کو بتا سکیں کہ شریعت کا حکم کیا ہے۔ یہ خدمت مدارس انجام دے رہے ہیں۔

اب ان سے یہ کہنا کہ تم انجینیر کیوں نہیں بن رہے؟ تم ڈاکٹر کیوں نہیں بن رہے؟ تم لائر کیوں نہیں بن رہے؟ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی انجینیر سے کہا جائے کہ تم ڈاکٹر کیوں نہیں ہو؟ کسی ڈاکٹر سے کہا جائے کہ تم انجینیر کیوں نہیں

ہو؟۔ یہ سوال بار بار ہمارے سامنے رکھا جاتا ہے اور اس کا بار بار جواب دیا گیا ہے۔

ایک بات یہ بھی عرض کردوں کہ پچھلے دنوں رجسٹریشن کے سلسلے میں ہماری براہِ راست محترم آرمی چیف صاحب سے بات ہوئی تھی، وزیر اعظم صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، وزیر اعظم نے مسودہ قانون پر دستخط بھی کر دیے، دستخط کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو منظور کر لیا، اور وہ خواندگی کے لیے کمیٹی میں چلا گیا۔ اس کی خواندگی ہوگئی، آرمی چیف صاحب نے ہمارے سامنے زبانی طور پر اسے منظور کر لیا۔ لیکن بعد میں جب اس کے نفاذ کا وقت آیا تو اچانک ٹیلی فون آجاتا ہے کہ اسے روک لو، اور اس ٹیلی فون کی وجہ سے ایک دَم کارروائی رُک جاتی ہے۔ میں اور قاری حنیف صاحب ایک ہفتہ اسلام آباد پڑے رہے۔ اور اس کے نتیجے میں ایک ڈرافٹ تیار ہوتا ہے، لیکن اچانک فون آجاتا ہے کہ اس کو روک لیا جائے۔ ساری کابینہ منظور کر چکی، اسمبلی میں بل منظور ہونے جارہا ہے، وزیر اعظم منظور کر چکے، ایک دم ٹیلی فون آجاتا ہے کہ اس کو روک لیا جائے، اور بعد میں اسمبلی ختم ہوجاتی ہے، اور وہ مسودہ قانون بننے سے رہ جاتا۔

یہ سلوک ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ کب تک ہم یہ سلوک برداشت کرتے رہیں؟ کب تک مدارس کو ذلیل کرتے رہیں؟ کب تک ہم اتنی ذلت برداشت کرتے رہیں؟۔ اس لیے آج ہمارے اجلاس کے اندر یہ طے کیا گیا کہ ہم اپنے وجود کے تحفظ کو اور دینی مدارس کو برقرار رکھنے پر، ان کی آزادی و خودمختاری کے تحفظ کے لیے ہم سب ایک پیج پر ہیں۔ اور ہم سب الحمدللہ متفق ہیں۔ اس بات کا عزم کیے ہوئے ہیں کہ ہمیں مدارس کی آزادی و خودمختاری کا ہر قیمت پر تحفظ کرنا ہے؛ اور دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس سے نہیں روک سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ بیرونی ایجنڈے پر ہمارے ہاں کام ہوتے ہیں۔ مغربی دنیا پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ہمارے راستے میں اگر کوئی رکاوٹ ہے تو یہ مدرسے ہیں۔ وہ ایل بی جی ٹی کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں تو یہ مدارس رکاوٹ بنتے ہیں۔ اگر وہ سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت کرتے ہیں تو یہ مدارس رکاوٹ بنتے ہیں۔ سود کی یہ مخالفت کرتے ہیں۔ ٹرانسجینڈر ایکٹ کی یہ مخالفت کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم درحقیقت بیرونی طاقتوں کا نشانہ ہیں؛ اور افسوس ہے کہ ہماری حکومت اور ہمارے ادارے اس حقیقت کا ادراک نہیں کر پا رہے، اور اسی کی وجہ سے ہمارے ساتھ اس قسم کا سلوک ہو رہا ہے۔ آج اس سلوک پر ہم سراپا احتجاج ہیں۔ اور یہ سمجھ لیجیے کہ کسی شخص کو یا کسی ادارے کو ایک حد تک ہی دبایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد ایک حد آتی ہے کہ اس کے بعد وہ دَبنا قبول نہیں کرتا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان اقدامات کے نتیجے میں وہ حد نہ آجائے۔ بس! یہ گزارشات آپ سے کرنی تھیں، ہمارا یہ پیغام آپ ساری دنیا تک پہنچا دیں۔

(حضرت صدر وفاق المدارس کے خطاب کے بعد چند سوال و جواب ہوئے جو حسبِ ذیل تھے:)

ایک صحافی کے سوال کے جواب میں حضرت صدر وفاق مدظلہم نے فرمایا:

''دیکھیے ہم نے مذاکرات کے ذریعے، بات چیت کے ذریعے، مفاہمت کے ذریعے، بات سمجھانے کے جتنے طریقے ہوسکتے ہیں ان میں ہم نے الحمدللہ کوئی کسر نہیں چھوڑی، وزیر اعظم سے، کابینہ سے، آرمی چیف سے، فوج کے بڑے نمائندوں سے ہم نے کھل کر بیان کیا ہے، اپنی شکایتیں واضح کی ہیں، اور دلائل دیے ہیں، دلائل کے میدان میں ان کی طرف سے جواب نہیں آتا۔ ہماری کسی دلیل کا ان کے پاس جواب نہیں ہوتا۔ بس مسئلے کو لٹکانے کی بات کی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ ''دیکھیں گے''، ''ہوجائے گا''، بعض اوقات یہ کہتے ہیں کہ ''آج نہیں تو کل ہوجائے گا''۔ اس طریقے سے اس کو لٹکایا جاتا رہا ہے۔ ابھی میں نے جو آپ کو واقعہ سنایا کہ ہم نے براہ راست ڈپٹی چیف سے، آرمی چیف سے؛ ان سب سے ملاقاتیں کیں، پہلے وزیر اعظم سے ملاقات ہوچکی تھی، سب بات طے ہوچکی تھی، لیکن ہم سے کہا جاتا ہے کہ بس کام ہوگیا، لیکن بعد میں پتا چلتا ہے نہیں ہوا۔ اب ہم کیا کریں؟ اس کے بعد ہمارے پاس کیا طریق کار رہ جاتا ہے؟!۔''

صحافی: اسی بیان کی آڑ میں اگر کہیں مدارس کے خلاف دوبارہ آپریشن شروع ہوتا ہے تو لائحہ عمل کیا ہوگا؟

جواب: ''دیکھیں آپریشن کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ ایسے سخت جان ہیں کہ ان کے خلاف جو آپریشن کرے گا وہ دس مرتبہ سوچے گا، ہزار مرتبہ سوچے گا۔''

صحافی: کیا مدارس کو تصادم کی طرف دھکیلا جارہا ہے؟

جواب: ''دیکھیے ہم تصادم چاہتے نہیں ہیں، ہم آخر وقت تک اس بات کی کوشش کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے کہ تصادم کی نوبت نہ آئے۔ لیکن جب کسی کو اتنا دبایا جائے اتنا دبایا جائے کہ اس کے پاس کوئی راستہ نہ رہے تو اس حال کے لیے 'سودا' کا شعر ہے کہ

''بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا''

تو ہم اس پر مجبور ہوسکتے ہیں، کیا کریں؟! اگر ہماری کوئی شنوائی نہیں ہوتی تو پھر۔۔۔ ہم نہیں چاہتے کہ تصادم ہو لیکن اگر ہمیں مجبور کیا گیا اور دیوار سے لگایا گیا تو پھر اس کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ ہم بھی اپنا سر کھونے کے لیے میدان میں آجائیں۔''

ایک صحافی کے سوال کے جواب میں حضرت صدر وفاق المدارس نے فرمایا:

دیکھیے ہم قیاسات اور گمانوں پر بات نہیں کرتے لیکن جو طرز عمل ہمیں نظر آرہا ہے؛ اور ان ملاقاتوں کے دوران جو صورت حال دیکھی ہے وہ ہم آپ کو پوری طرح بیان بھی نہیں کرسکتے۔ اس پوری صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہم

اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ کسی بیرونی دباؤ کا نتیجہ ہے، ہماری معقول باتیں، بار بار کی ہوئی باتیں، بار بار کے مذاکرات وہ کامیاب نہیں ہورہے، کسی مرحلے پر جا کر اچانک کوئی رکاوٹ آجاتی ہے۔کوئی بیرونی دباؤ ہےجس کی وجہ سے ہمارے ساتھ یہ سلوک ہورہا ہے۔

ایک صحافی نے پاکستان کی عمومی سیاسی صورت حال پر سوال کیا تو حضرت صدر وفاق مد ظلہم نے کہا:

''دیکھیں ہم سیاسی لوگ نہیں ہیں،اس وقت ہم تعلیم اور مدارس کے موضوع پر بات کرنے کے لیے بیٹھے ہیں، سیاست کا جو سلسلہ گرم ہے اور جس طرف ملک جارہا ہے؛اس کے لیے یہ موقع نہیں ہے کہ ہم طویل گفتگو کرسکیں، لہٰذا ہم صرف مدارس کی حد تک آپ سے گفتگو کرنے کے لیے بیٹھے ہیں، اور اپنا دُکھڑا آپ کو سنانے کے لیے بیٹھے ہیں، اور یہ دُکھڑا ہم چاہتے ہیں کہ پوری قوم سنے، پوری قوم کے پاس یہ بات جائے، کیونکہ ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔ہمیں بدنام کیا جارہا ہے، حقائق کو مسخ کیا جارہا ہے۔اس لیے ہمیں ضرورت پیش آئی کہ ہم پریس کانفرنس کریں اور اعلامیہ جاری کریں۔ملک کے بے شمار مسائل ہیں، سیاسی مسائل، معاشی مسائل، اندرونی مسائل، بیرونی مسائل، بے شمار مسائل ہیں، لیکن ان پر فی الحال ہم گفتگو نہیں کرسکتے۔''

صحافی: جب تمام معاملات طے ہوجاتے ہیں تو پھر رکاوٹ کہاں سے پیدا ہوتی ہے؟

مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب: حضور والا یہی تو ہمارا سوال ہے کہ جو عالم شہود میں اور عالم غیاب میں فیصلہ کن مراکز ہیں ان سے جب بات ہوجاتی ہے؛ پھر جب کوئی رکاوٹ عالم غیب سے نازل ہوتی ہےتو یہ کہاں سے نازل ہوتی ہے؟اس کے بارے میں نہیں بتایا جاتا۔اور ہم نے جیسے اسٹیٹمنٹ میں بتایا ہے کہ جب حکومت کو فتوے کی ضرورت ہوتی ہے تو آپ کے پاس اسلامی نظریاتی کونسل ہے، ریاستی ادارے ہیں؛ لیں ان سے فتویٰ، پھر دیکھیں کہ مارکیٹ میں اس کی وَرتھ کیا ہے؟۔پھر ان فقیروں کے پاس آتے ہیں، اور یقین جانیں کہ ایک بار نہیں؛ چار چار چھ چھ بار چل کر آتے ہیں؛ تب ہمیں پہچانتے ہیں، اور بعد میں ہم ''نامعلوم'' ہوجاتے ہیں۔اچھا مدارس کے وجود کو مان رہے ہیں کہ پچاس فیصد مدارس برسرزمین ہیں، لیکن ان کے چلانے والوں کا پتا نہیں ہے۔اس لیے پورے پاکستان کے مدارس کو چلانے والوں کے نمائندے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اگر کسی کو کسی مدرسے کا پتا نہیں ہے تو رابطہ کرلے بتادیا جائے گا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب: یہ پوری قوم کا سوال ہے، یہی سوال ہمارا بھی ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ کو پچاس فیصد مدارس کا پتا نہیں ہے کہ کون چلارہا ہے؟ یہاں تو یہ پتا نہیں کہ ملک کون چلارہا ہے؟۔

ان سوال و جواب کے بعد حضرت صدر وفاق مد ظلہم کی دُعا کے بعد پریس کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔

اعلامیہ اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجلاس اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان، مؤرخہ: ۳۰ جولائی ۲۰۲۴ء بروز منگل جامعہ دارالعلوم کراچی

آج اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کے قائدین کا ہنگامی اجلاس جامعہ دارالعلوم کراچی میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب صدر اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کے زیر صدارت صبح ۱۱ بجے سے ۴ بجے تک منعقد ہوا، اس اجلاس میں اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کے عہدیداران اور مجلس عاملہ کے درج ذیل معزز ارکان شریک ہوئے:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

1 حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
صدر، اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان و وفاق المدارس العربیہ پاکستان

2 حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب
ناظم اعلیٰ، وفاق المدارس العربیہ پاکستان

3 حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب — نائب صدر، وفاق المدارس العربیہ پاکستان

4 حضرت مولانا امداد اللہ صاحب — ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان، صوبہ سندھ

5 حضرت مولانا محمد عمران اشرف عثمانی صاحب — نائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

تنظیم المدارس اہلِ سنت پاکستان

1 حضرت مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب — صدر، تنظیم المدارس اہل سنت و ناظم اعلی اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان

2 صاحبزادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی صاحب — ناظم اعلی، تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان

3 علامہ صاحبزادہ محمد ریحان امجد نعمانی صاحب — صوبائی ناظم اعلی تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، صوبہ سندھ

وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان

1 حضرت مولانا یٰسین ظفر صاحب — ناظم اعلی، وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان

2 مولانا محمد یونس عاجز صاحب — رجسٹرار، وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان

3 مفتی محمد یوسف قصوری صاحب نمائندہ، وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان، کراچی

رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان

1 حضرت مولانا عبدالمالک صاحب صدر، رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان

2 مولانا عطاء الرحمٰن ناظم اعلیٰ، رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان

3 مولانا عبدالوحید صاحب مسؤول کراچی، رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان (کراچی)

وفاق المدارس الشیعہ پاکستان

1 علامہ محمد افضل حیدری صاحب جنرل سیکرٹری، وفاق المدارس الشیعہ پاکستان

2 علامہ قاضی سید فیاض حسین نقوی صاحب رکن مجلس اعلیٰ، فاق المدارس الشیعہ پاکستان (کراچی)

3 علامہ ڈاکٹر شبیر حسن میثمی صاحب سیکرٹری فنانس، فاق المدارس الشیعہ پاکستان (کرا چی)

یہ اجلاس ڈائریکٹر جنرل آئی ایس پی آر لیفٹننٹ جنرل ارشد شریف چوہدری کی ۲۲ جولائی ۲۰۲۴ء کی پریس کانفرنس کے تناظر میں منعقد ہوا، اجلاس میں اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل بیان کی منظوری دی گئی:

1. دینی مدارس وجامعات کے قائدین کا اجلاس ڈی جی آئی ایس پی آر کے بیان اور اندازِ بیان کی شدید مذمت اور رد کرتا ہے، اس میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ ۵۰ فیصد دینی مدارس وجامعات اور ان کے سربراہان نامعلوم لوگ ہیں۔ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دینی مدارس وجامعات اور ان کے چلانے والوں کو پوری قوم جانتی ہے اور الحمد للہ علیٰ احسانہ ان کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے، یہ مدارس پاکستان کے قانون کے تحت قائم ہوئے ہیں اور قانون کے دائرے میں مصروف عمل ہیں، اس طرح کا لب ولہجہ کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس سے ملک بھر میں قائم دینی مدارس وجامعات کے سربراہان، اساتذہ کرام، طلبہ وطالبات، معاونین اور کروڑوں دین دار طبقات کے جذبات مجروح ہوئے ہیں، ہم چیف آف آرمی اسٹاف جناب جنرل سید عاصم منیر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے ادارے کے ذمہ دار افسران کو ہدایات جاری کریں کہ وہ دینی مدارس وجامعات کے سربراہان، اساتذہ اور طلبہ وطالبات کو مجرم یا ملزم یا مشتبہ سمجھ کر بات نہ کریں، عوام میں آکر دیکھیں کہ ان لوگوں کی عزت کیا ہے؟

2. دینی مدارس وجامعات کے سربراہان نے ملکی تحفظ، سلامتی اور مفاد کو ہمیشہ مقدم رکھا ہے اور کبھی بھی ملکی استحکام اور سلامتی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا، ہر مشکل مرحلہ پر مسلح افواج کی حمایت کی اور ہمیشہ دہشت گردی اور

فساد کی مخالفت کی اور اس کے نتائج بھی بھگتے، اکابر علماء ومشائخ اس مشن میں شہید ہوئے۔

3. جب پیغامِ پاکستان مرتب کیا گیا تو انہی علماء نے خودکش حملوں اور دہشت گردی کے خلاف کسی صلہ و ستائش کی خواہش کے بغیر محض ملک وملت کی خاطر فتوے جاری کئے، تب یہ اہل مدارس ذمہ دار بھی تھے، محبِّ وطن بھی تھے اور انہی اداروں کے ذمہ داران ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔

4. دینی مدارس و جامعات پاکستان میں خواندگی کو فروغ دیتے ہیں، پسماندہ علاقوں سے بچوں کو لا کر محبِ وطن بناتے ہیں، علم سے آراستہ کرتے ہیں اور معاشرے کا صحت مند شہری بناتے ہیں، ورنہ یہی نوجوان ملک کے مقابل آمادۂ پیکار گروہوں کے ہاتھ چڑھتے اور ملک کے خلاف استعمال ہوتے، آج ان اداروں کی خدمات کی قدر کرنے کے بجائے انہیں شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔

5. دینی مدارس و جامعات کے ذمہ داران نے سیاسی انتشار اور محاذ آرائی سے فائدہ اٹھانے کا کبھی سوچا بھی نہیں ہے، ہمیشہ ملک کی خیر خواہی کی ہے، مسلح افواج اور ملکی سلامتی کے لیے دعا گو رہے ہیں۔

6. اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی قیادت نے ہمیشہ مزاحمت کے بجائے مذاکرات اور مکالمے کو ترجیح دی ہے، ہماری تاریخ اس کی شاہدِ عدل ہے، لیکن ذمہ دار قوتوں نے طے شدہ معاملات کو ہمیشہ قانونی شکل دینے کے بجائے اس میں رکاوٹیں ڈالی ہیں، وقت آ گیا ہے کہ اس روش کو ترک کر کے سنجیدگی سے مسائل کو حل کیا جائے اور ماتحت افسران کے بجائے وہ سربراہان، جن کے پاس فیصلہ کرنے، اسے قانونی شکل دینے اور نافذ کرنے کا اختیار ہے، وہ دینی مدارس کے بارے میں سرسری اور غیر ذمہ دارانہ بیانات جاری کرنے والوں کو روکیں، اور مدارس کے مسئلہ پر سنجیدگی کا مظاہرہ کریں۔

7. مفاہمت کی حکمتِ عملی اختیار کرنے کے بجائے دینی مدارس و جامعات کو مزاحمت کے راستے پر ڈالنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش کی جا رہی ہے، ہم متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ موجودہ طرزِ عمل سے ان عناصر کو تقویت نہ پہنچائی جائے جو مفاہمت کے بجائے مدارس کو مزاحمت پر مجبور کریں، ملک وملت کا فائدہ اسی میں ہے کہ معقولیت اور شائستگی کا راستہ اختیار کیا جائے۔

8. بااختیار اداروں کی یہ حکمتِ عملی ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ ایک طرف مالی معاملات میں شفافیت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور دوسری طرف دینی مدارس و جامعات کے بینک اکاؤنٹس کو منجمد کر دیا جاتا ہے اور شیڈولڈ بینکوں میں اکاؤنٹ کھولنے اور انہیں آپریٹ کرنے کو ناممکن بنایا جا رہا ہے، یہ عملی تضاد نا قابل فہم ہے۔

9. ہمارے تجربات نے بتایا ہے کہ اس وقت حقیقی اقتدار و اختیار ریاست کے پاس ہے، اس لیے بہتر ہوگا

کہ چیف آف آرمی اسٹاف خود براہ راست اس مسئلے کا سنجیدگی سے جائزہ لیں، اوراس کے دوررس نتائج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مدارس کے ساتھ ریاستی اداروں کا رویہ درست کریں اوراس معاملے میں کسی بیرونی دباؤ کی پروانہ کریں۔

10. اتحادتنظیمات مدارس پاکستان کی قیادت نے فیصلہ کیا ہے کہ دینی مدارس وجامعات کی حریتِ فکروعمل پر کوئی سمجھوتانہیں کیا جائے گا، ہر قیمت پر دینی مدارس وجامعات کی حریتِ فکروعمل کا تحفظ کیا جائے گا، اس مقصد کے لیے چاروں صوبائی صدر مقامات اور وفاقی دارالحکومت میں دینی مدارس وجامعات کے بڑے بڑے کنونشن منعقد کیے جائیں گےاوران میں اہلِ مدارس اور پوری قوم کوحقائق سے آگاہ کیا جائے گا۔

11. پاکستان کے دینی مدارس وجامعات میں دیگرممالک سے طلبہ وطالبات دینی تعلیم حاصل کرنے آتے تھےاوروہ واپس جاکراپنے اپنے ممالک میں پاکستان کے غیرسرکاری سفیر کا کردارادا کرتے تھے، نامعلوم وجوہات کی بناء پرغیرملکی طلبہ کوویزے دینے بند کردیے گئےاوراس طرح رضاکارانہ سفارت کاری کا باب بند کردیا گیااور اب وہ لوگ بھارت کا رخ کرتے ہیں اوراس کا فائدہ بھارت کوپہنچ رہاہے، جبکہ ساری دنیا میں تعلیم وتعلم کے لیے روابط کھلے رہتے ہیں، خود ہمارے ملک کے طلبہ مختلف شعبوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے دنیا بھر کے ممالک جاتے ہیں اورایسے عالم میں کہ ہم ایک ایک ڈالر کے محتاج ہیں، زرِمبادلہ باہر جارہاہے، جبکہ دینی مدارس وجامعات میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات اپنے اپنے ممالک سے زرِمبادلہ پاکستان لارہے تھے۔خود ہماری یونیورسٹیوں میں بھی بیرونِ ممالک کے طلبہ زیرِتعلیم ہیں۔

12. ہم ایک بارپھرحقیقی بااختیارارباب اقتدارکو پیغام دینا چاہتے ہیں: ملک وملت کا مفاداس میں ہے کہ دینی مدارس وجامعات کوحریف سمجھنے کے بجائے حلیف سمجھا جائے، پراپیگنڈے اور بدگمانیوں پر قائم کردہ تاثر کو ذہنوں سے نکالا جائے اورحسنِ ظن اوراخلاص کے ساتھ مسائل کوسلجھایا جائے۔

13. اتحادتنظیمات مدارس پاکستان کا پہلاصوبائی کنونشن ۲۸ اگست ۲۰۲۴ء بروز بدھ صبح ۹ بجے کراچی میں منعقد ہوگا۔

14. اتحادِتنظیمات مدارس پاکستان کی رکن تنظیمیں حسبِ ذیل ہیں:

(الف) وفاق المدارس العربیہ پاکستان (ب) تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان (ج) وفاق المدارس الشیعہ (د) وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان (ہ) رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان

مدارس رجسٹریشن.....اوراصل حقائق

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

میجر جنزل (ر) ڈاکٹر غلام قمر، ڈائریکٹر جنزل برائے مذہبی تعلیم وفاقی وزارت تعلیم (اسلام آباد) کا 3 اگست 2024ءکوایک قومی اخبار میں" مدارس رجسٹریشن، حقیقت اورافسانہ" کےعنوان سے کالم شائع ہوا ہے۔اس کالم میں مدارس رجسٹریشن کے حوالے سے بعض باتیں ایسی ہیں جوحقائق کے منافی ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ ان باتوں کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔

موصوف نے اپنے کالم میں مدارس رجسٹریشن، یکساں نصاب تعلیم اور اتحاد تنظیمات کے حکومتوں کے ساتھ مذاکرات کوموضوع بنایا ہے۔"انہوں نے تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ 2019ءمیں وزارت تعلیم کے ساتھ ہونے والے معاہدے کے مطابق دینی مدارس رجسٹریشن سے انکاری ہیں،اوروہ گورے انگریز کے بنائے ہوئے 1860ء کےسوسائٹی ایکٹ کےتحت ہی مدارس کی رجسٹریشن کرانا چاہتے ہیں"۔اس سلسلے میں چندگزارشات پیش ہیں:

(1) حقیقت یہ ہے کہ 1860ء کےسوسائٹی ایکٹ کے قانون کے متعلق یہ بات درست نہیں کی گئی،ہم تو درحقیقت اس ایکٹ کے سیکشن 21 کے تحت رجسٹریشن چاہتے ہیں، 2004ءمیں سیکشن 21 اس وقت کے صدر اور آرمی چیف جنزل پرویزمشرف کے دور میں اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان اور حکومت کے مابین کئی مہینوں کے مذاکرات کے بعد حتمی اور طے ہوا تھا۔ وہ سیکشن 21 گورے انگریز کا نہیں بلکہ مسلمانوں کا اور حکومت پاکستان کے اداروں کا طے کردہ ہے۔اس لیے یہ تاثر دینا غلط ہے کہ ہم گورے انگریزوں کے ایکٹ کےتحت رجسٹریشن چاہتے ہیں؟ یہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ 2004ءمیں طے ہونے والا سیکشن 21 خاص دینی مدارس کی رجسٹریشن کے لیے ہی ہے۔ ہم نے اس وقت یہ بات کہی تھی کہ اگر اس میں کسی بھی وقت ترمیم کی ضرورت ہوتو وہ بھی باہمی مشاورت سے کی جاسکتی ہے۔

یہاں جملہ معترضہ کےطور پرعرض ہے کہ ہم تو 1860ء کے سیکشن 21 کی بات کرتے ہیں جوہم مسلمانوں نے باہمی مشاورت سے طے کیا، جبکہ آپ نےتو 1860 کےسوسائٹی ایکٹ کواس کی روح کے مطابق اوراس کی تمام دفعات کومن وعن قبول کیا ہوا ہے۔ کیا اب بھی اس ایکٹ کے تحت مختلف ادارے اورسوسائٹیاں رجسٹرڈ نہیں ہوتیں؟!۔کیا آپ نے اس ایکٹ کوکبھی ختم کرنے کا سوچا بھی ہے؟۔دوسری طرف ہمارا پوراعدالتی نظام برٹش لاء

کے مطابق فیصلے کرتا ہے، جو گورے انگریز کا ہی وضع کردہ ہے، کیا کبھی اس سے پیچھا چھڑانے کا سوچا گیا؟۔ایک پہلو اور بھی ہے کہ مدارس کی رجسٹریشن میں رکاوٹ کون ہے؟ کہیں یہ دباؤ کسی انگریز، گورے یا کالے کافروں کی طرف سے تو نہیں؟؟اندر کی بات تو کوئی بھی نہیں بتا رہا۔

بہر حال یہ 1860ء کا سیکشن 21 متفقہ طور پر طے ہوا، اب یہ قانون بن چکا ہے۔اس کے مطابق قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں قانون سازی ہو چکی ہے، اور یہ جو وزارت تعلیم میں رجسٹریشن ہے؟ یہ تو ایگزیکٹو آرڈر کے تحت ہے، اس کی قانونی حیثیت نہیں ہے۔اس لیے ہم جس قانون کی بات کر رہے ہیں وہ باقاعدہ ایک قانون ہے، اور جس کی آپ بات کر رہے ہیں وہ قانون ہے ہی نہیں۔اس کے علاوہ ہم نے کہا تھا کہ مدارس کے بندا کاؤنٹ کھلوائے جائیں اور نئے اکاؤنٹ کھلوانے میں بھی تعاون کیا جائے؛ یہاں تو الٹا مدارس کے اکاؤنٹ بند کیے جا رہے ہیں۔تو معاملہ صاف شفاف کیسے رہا؟!۔

(2) موصوف نے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ:''معاہدے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ڈائریکٹریٹ جنرل برائے مذہبی تعلیم (ڈی جی آر ای) کا قیام عمل میں لایا گیا، مدارس کو چاہیے تھا کہ اپنی رجسٹریشن ڈی جی آر ای کے ساتھ کرواتے لیکن اتحاد تنظیمات مدارس نے اپنے زیر انتظام والحاق مدارس کی رجسٹریشن کروانے سے انکار کر دیا۔''

اس سلسلے میں عرض ہے کہ مدارس رجسٹریشن کے سلسلے میں کوئی الگ ڈائریکٹریٹ قائم کرنے کی بات تو سرے سے معاہدے میں شامل ہی نہیں تھی، معاہدے کا منشاء یہ تھا کہ دینی مدارس کی جو رجسٹریشن پہلے سوسائٹیز ایکٹ کے تحت وزارت صنعت کے ساتھ ہوتی تھی، اب وزارت تعلیم میں ہوگی، جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ اسی سادگی کے ساتھ ہوگی جس سادگی کے ساتھ وزارت صنعت میں ہوتی تھی اس کے لیے وزارت صنعت نے نہ کوئی الگ ڈائریکٹوریٹ قائم کیا تھا نہ ملک بھر میں اس کام کے لیے الگ دفاتر قائم کیے تھے، نہ پانچ سال کے بعد رجسٹریشن کی تجدید ضروری تھی، البتہ سالانہ کوائف بیشک بھیجے جاتے تھے۔معاہدے میں 12 ریجنل سینٹر قائم کرنے کی بات تھی، اس کے متعلق یہی خیال تھا کہ جس طرح ہر ضلع میں وزارت تعلیم کا دفتر ہوتا ہے، انہی میں 12 منتخب اضلاع میں ریجنل دفاتر قائم کر دیے جائیں گے جس کا عملہ وزارت تعلیم سے ہی منسلک ہوگا، جہاں مدارس کی رجسٹریشن بآسانی سہولت کے ساتھ ہو جایا کرے گی اسی طرح جیسے دینی مدارس کی رجسٹریشن پہلے وزارت صنعت میں ہوتی تھی، اس کے لیے کوئی الگ عملہ نہیں تھا، کوئی الگ دفاتر نہیں تھے، جیسے دیگر اداروں اور سوسائٹیوں کی رجسٹریشن ہوتی تھی اسی طرح دینی مدارس کی بھی رجسٹریشن ہو جایا کرتی تھی، مگر یہ کہ ایک الگ ڈائریکٹریٹ قائم ہوگا، اس کا الگ عملہ ہوگا، باقاعدہ اربوں روپے کا فنڈ ہوگا، پھر اس ادارے کے پورے ملک میں ذیلی ادارے ہوں گے؛ یہ چیز معاہدے میں

شامل نہیں تھی بلکہ یہ تو سراسر دیوالیہ پن کے قریب پہنچنے والے قومی خزانے پر مزید بوجھ ڈالنے والی بات تھی۔ یہ سب یک طرفہ طور پر کیا گیا جبکہ معاہدے میں یہ بات شامل تھی کہ ایسے کسی بھی اقدام سے قبل اتحاد تنظیمات مدارس کو اعتماد میں لیا جائے گا۔ نیز ڈائیریکٹوریٹ کے تحت اتنے بڑے منصوبے کا لازمی نتیجہ یہ قرار دیا جائے گا کہ دینی مدارس اسی ڈائریکٹوریٹ کے ماتحت اور تابع سمجھے جائیں گے اور زبانی طور پر کہا گیا تھا کہ مدارس وزارت تعلیم سے منسلک ہونگے، تابع نہیں ہونگے، مذکورہ منصوبہ عملی طور پر اس کی نفی کرتا ہے۔

پھر یہ بھی کہ ڈی جی آر ای کا آفس اسلام آباد میں ہونے کی وجہ سے مدارس رجسٹریشن کے لیے آنے والے حضرات کی سفری مشکلات کا سبب بھی ہوتا۔ بہرحال یہ تمام باتیں معاہدے کے خلاف کی گئیں اور ان کا سوائے اس کے اور کوئی مقصد معلوم نہیں ہوتا کہ دینی مدارس کو پریشان اور کنٹرول کیا جائے۔ ملک میں جتنے بھی عصری تعلیمی ادارے ہیں وہ اپنے اپنے ضلع میں متعلقہ محکمے میں رجسٹرڈ ہوتے ہیں، مدارس کے ساتھ ہی یہ امتیازی سلوک کیوں کہ وہ ضرور ایک الگ تھلگ ادارے سے (جس کی کوئی قانونی حیثیت بھی نہیں) منسلک ہوں؟۔

(3) ہم بار بار یہ واضح کر چکے ہیں کہ دینی مدارس اپنی آزادی اور خودمختاری کو کسی رکاوٹ کے بغیر قائم رکھنے کے لیے پرعزم ہیں، اور کسی حکومتی ادارے کے تابع یا ماتحت ہونے کو گوارا نہیں کر سکتے اور اگر اس آزادی و خودمختاری کو باقی رکھنے کے لیے ہمیں کوئی بھی قربانی دینی پڑے تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں، لہٰذا وزارت تعلیم میں رجسٹریشن کے لیے اتنے بڑے منصوبے اور اتنے اخراجات کی نہ صرف یہ کہ ضرورت نہیں بلکہ مقصد کے لیے بھی مضر ہے۔

(4) جو ڈائریکٹوریٹ برائے مذہبی تعلیم قائم کیا گیا ہے اُسے سرکاری تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم بقدر ضرورت دینے کے لیے استعمال کیا جائے اور اس کے ذریعے تمام تعلیمی اداروں میں اتنی دینی تعلیم دینے کا اہتمام کیا جائے جو ہر مسلمان کے لیے فرض عین ہے۔

(5) 2019 میں وزارت تعلیم کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس پر خود وزارت تعلیم نے عمل نہیں کیا۔ مثلاً معاہدہ میں یہ طے تھا کہ جب تک مدارس کی رجسٹریشن وزارت تعلیم کے ساتھ مکمل نہیں ہو جاتی ان کی پرانی رجسٹریشن کو تسلیم کیا جائے گا۔ لیکن اس معاہدے کے بعد اس بات کو ایک دن کے لیے بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔ معاہدے کی دوسری شق یہ تھی کہ جن مدارس کے اکاؤنٹس بند کیے گئے ہیں وزارت تعلیم نہ صرف وہ اکاؤنٹ کھلوائے گی بلکہ نئے اکاؤنٹس کھلوانے میں بھی مدد کرے گی، وزارت تعلیم کی جانب سے اس طرح کا کوئی تعاون نہیں ہوا۔

معاہدے ایک شق یہ تھی کہ مدارس کے کوائف اکٹھے کرنے کے لیے واحد مجاز ادارہ محکمہ تعلیم ہوگا، اس پر خود وزارت تعلیم نے، حکومت نے، معاہدے پر دستخط کرنے والوں حکومتی عہدیداروں اور متعلقہ اداروں نے عمل نہیں

کیا۔ جبکہ آج کے دن تک حسب سابق ایجنسیوں کے افراد کا مدارس میں آنے جانے، مدارس کو خوفزدہ کرنے، اور ہراساں کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

(6) جہاں تک یکساں نصاب تعلیم کی بات ہے تو اس کا ہم نے بالکل انکار نہیں، ہم تو چاہتے ہیں کہ ملک میں طبقاتی نظام تعلیم کا خاتمہ ہو، یکساں نصاب تعلیم کی تدوین میں تو ہم نے اپنا حصہ ڈالا ہے اور اس میں ہم نے عملی طور پر کام کیا ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا یکساں نصاب تعلیم کو بیکن ہاؤس، لاہور گرامر اسکول، آکسفورڈ اور کیمبرج کے نام سے چلنے والے برینڈڈ عصری تعلیمی اداروں نے بھی تسلیم کیا ہے؟، یقیناً جواب نفی میں ہے۔ مدارس تو اب بھی کہتے ہیں کہ عصری مضامین کا جو بھی قومی نصاب تعلیم ہوگا اسے اپنے ہاں ضرورت کے مطابق نافذ کریں گے۔ یہاں یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ دینی مدارس اپنے ہاں عصری نصاب پڑھا بھی رہے ہیں۔ چناں چہ ابھی پچھلے دنوں میٹرک بورڈز کے جو امتحانی نتائج آئے ہیں اس میں ہمارے مدارس کے طلبہ نے اول دوم اور سوم پوزیشنیں لی ہیں، آپ ملتان بورڈ، بہاولپور بورڈ، ساہیوال بورڈ، راولپنڈی بورڈ، آزاد کشمیر بورڈ، اسی طرح فیڈرل بورڈ کے امتحانی نتائج کا جائزہ لے لیجئے، آپ کو مدارس کے طلبہ ٹاپ پہ نظر آئیں گے۔ اس سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ مدارس اپنے ہاں نہ صرف عصری تعلیم دے رہے ہیں بلکہ ان کا تعلیمی معیار بھی اتنا اعلیٰ ہے کہ طلبہ تعلیمی بورڈز میں ٹاپ پوزیشنیں لے رہے ہیں۔

ہم عصری تعلیم کے مخالف تھے نہ ہیں لیکن آپ بتائیے کہ یکساں نصاب تعلیم کے نفاذ میں رکاوٹ کون ہے؟۔ ان اداروں کے نام لیجیے، صورت حال تو یہ ہے کہ تمام صوبائی حکومتوں نے یکساں نصاب تعلیم کے وژن کو قبول نہیں کیا۔ آپ کی ایلیٹ کلاس کے جو تعلیمی ادارے ہیں؟ اے لیول یا او لیول کراتے ہیں؛ وہ اسے قبول نہیں کر رہے۔ اب بتائیے کہ دینی مدارس کا اس میں کیا قصور ہے؟!۔

(7) دینی مدارس کی رجسٹریشن کے حوالے سے مزید عرض کرتا چلوں کہ موجودہ وزیراعظم شہباز شریف صاحب جب پی ڈی ایم کے دور حکومت میں وزیراعظم تھے، تو ان سے ہمارے کئی گھنٹے تک مذاکرات ہوئے، ان مذاکرات میں اس وقت کے وزیر تعلیم، وزیر داخلہ اور دیگر متعلقہ وزارتوں اور محکموں کے نمائندے موجود تھے، وزیراعظم صاحب نے پوری بحث کے بعد ایک مسودے کی منظوری دی، اور حکم جاری کیا تھا کہ اس کے مطابق مدارس کو رجسٹریشن کا اختیار دے دیا جائے، اس میں دونوں آپشن موجود تھے، مدارس چاہیں تو اپنے آپ کو 1860ء کے سیکشن 21 کے تحت رجسٹرڈ کرالیں، چاہیں تو وزارت تعلیم میں خود کو رجسٹرڈ کرالیں، اس سے پہلے بھی مدارس کو اختیار رہا کہ چاہیں تو سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہوں چاہیں تو ٹرسٹ کے قانون کے تحت رجسٹرڈ ہوں۔ اب سوال یہ

ہے کہ جب وزیر اعظم نے ہدایات جاری کر دیں، اور معاہدے کے مسودے پر دستخط کر دیے یعنی منظوری دے دی تو پھر اس پر عمل درآمد کیوں نہیں ہوا؟ ۔ وزیر اعظم ملک کا چیف ایگزیکٹو ہوتا ہے، کیا اس کے فیصلے کی کوئی اہمیت نہیں ؟!، اس پر بھی ذرا روشنی ڈالیے۔

پھر جب پی ڈی ایم کی حکومت کا آخری دور تھا، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی اور یہ عاجز بندہ ایک ہفتہ مسلسل اسلام آباد میں رہے، اس دوران ہماری ملاقاتیں ڈی جی سی محترم جناب آرمی چیف صاحب سے ہوئیں، وزیر اعظم شہباز شریف صاحب سے حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مسلسل رابطے میں رہے، ان مذاکرات اور رابطوں کے نتیجے میں ایک مسودے پر اتفاق بھی ہو گیا، جس میں وزارت تعلیم کے اور اسی شعبے کو جو مدارس کے لیے قائم کیا گیا تھا؛ ان کی تجاویز کو بھی لیا گیا، اور انہیں اس مسودے میں شامل کیا گیا، اسے خواندگی کے لیے قومی اسمبلی میں پیش کر دیا گیا تا کہ یہ باقاعدہ قانون بن جائے، پھر کیا وجہ ہوئی کہ اچانک اس پر عمل درآمد روک دیا گیا؟۔ اصل بات جو ہے وہ یہ کہ اس میں رکاوٹ کون بنا؟ یقیناً اس میں کچھ عالمی اداروں کی مداخلت بھی ہے جسے چھپایا جا رہا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم متعلقہ فریق ہیں، ہمارے تحفظات کو سامنے رکھ کر بات کی جائے، اگر کسی عالمی ادارے کی طرف سے مسئلہ ہے تو ہم اس کے ساتھ بیٹھ کر بات کرنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ بہر حال قرائن اور علامات بتاتی ہیں کہ درون خانہ کوئی بات ضرور ہے، اور یہ رکاوٹیں عالمی دباؤ پر ہیں، ہمارے متعلقہ محکمانہ افراد گوروں اور انگریزوں کے دباؤ میں ہیں۔ اسی لیے جب بھی طویل مذاکرات کے بعد کسی مسودے پر اتفاق رائے ہوتا ہے تو حکومت اچانک پیچھے ہٹ جاتی ہے۔

آخر میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ مدارس کی دینی خدمات پر انہیں سراہنے اور اوران کی خدمات کے اعتراف میں تنگ دلی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ ابھی میٹرک کے امتحانات میں مدارس کے طلبہ نے ٹاپ پوزیشنیں لی ہیں مگر کیا کسی بھی اعلیٰ حکومتی شخصیت یا سرکاری ادارے کی جانب سے اس بات کو سراہا گیا ہے؟ اس کی بجائے الٹا مدارس کو کبھی رجسٹریشن کے نام پر کبھی کوائف طلبی کے نام پر کبھی کسی اور بہانے سے تنگ اور پریشان کرنے کا عمل تسلسل سے جاری رہتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس کی آزادی وخود مختاری، خودداری، اور حریت فکر وعمل سب سے اہم ہے، ہم اسے دینی علوم کے تحفظ، امت مسلمہ کی صحیح دینی رہنمائی، اور علوم اسلامیہ کی اشاعت کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، ان شاء اللہ اس سلسلہ میں ہم اپنا فرض ادا کرتے رہیں گے۔

مقالات ومضامین

دینی مدارس کی رجسٹریشن۔۔۔اصل مسئلہ کیا ہے؟

مولانا عبدالقدوس محمدی

کچھ عرصہ قبل ایک سیاستدان کا مقولہ بڑا مشہور ہوا تھا اور اس کا مذاق بھی اڑایا گیا تھا کہ ”ڈگری ڈگری ہوتی ہے اصلی ہو یا جعلی ہو“ آج کے دور میں بالکل اسی انداز اور اسی بنیاد پر مگر بڑی سنجیدگی سے یہ بات باور کروانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ”مدارس کی رجسٹریشن، رجسٹریشن ہوتی ہے، جیسے بھی ہو، جیسی بھی ہو، جس قانون کے تحت ہو۔ جس طریقہ کار کے مطابق ہو۔ رجسٹریشن غلامانہ ہو یا آزادانہ۔ رجسٹریشن کے نتائج واثرات بھلے کچھ بھی نکلیں۔ رجسٹریشن کے ذریعے FATF کے مقاصد کی تکمیل ہو یا مدارس کے صدیوں سے جاری آزادانہ مثالی نظام کی مشکیں کسی جاسکیں بھلے جو بھی ہو بس رجسٹریشن تو رجسٹریشن ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ مدارس کی رجسٹریشن کا معاملہ نائن الیون کے بعد سے ہی پیچیدہ اور متنازعہ ہونا شروع ہوا اس سے قبل کبھی رجسٹریشن اور مدارس مسئلہ نہیں ہوتے تھے۔ نائن الیون کے بعد پہلے پہل کرائسس مینجمنٹ سیل کے ذریعے مدارس کے معاملات کو ہینڈل اور مینج کرنے کی کوشش کی گئی اور یوں مدارس کے سیدھے سادھے معاملات کو کھینچ تان کر کرائسس بنایا گیا۔ اس دور میں مدارس کی قیادت نے بار بار ارباب اختیار واقتدار کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مدارس کو کرائسس سمجھ کر وزارت داخلہ کے کرائسس مینجمنٹ سیل کے ذریعے ہینڈل اور مینج نہ کیا جائے بلکہ تعلیمی اور رفاہی ادارے سمجھ کر وزارت تعلیم اور رفاہی اداروں کی رجسٹریشن کا جو نظام ہے اسی کے مطابق دیکھا جائے۔ دینی مدارس کی قیادت کا ہمیشہ سے یہ مطالبہ رہا اور آج بھی یہی مطالبہ ہے کہ جیسے ہمارے ہاں دیگر اسکولز، کالجز اور تعلیمی اداروں کو ہینڈل کیا جاتا ہے مدارس کو بھی تعلیمی ادارہ تسلیم کیا جائے اور اس ملک میں صرف فروغ تعلیم ہی نہیں بلکہ رفاہی وفلاحی خدمات کے سب سے بڑے نیٹ ورک کے طور پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے لیکن بدقسمتی سے مدارس کے ساتھ ہمیشہ سے امتیازی رویہ روا رکھا گیا خاص طور پر نائن الیون کے بعد سے مدارس عالمی ایجنڈے پر آگئے اور پھر اگلے مرحلے میں نیشنل ایکشن پلان کے نام سے تشکیل پانے والے قومی سلامتی کے منصوبے میں غیر ضروری اور غیر متعلقہ طور پر مدارس کو بھی گھسیٹ لیا گیا- بدقسمتی سے نائن الیون کے بعد سے خاص مقاصد کے تحت آنے والی امداد اور بیرونی ڈکٹیشن کے نتیجے میں دینی مدارس کا معاملہ مزید پیچیدہ سے پیچیدہ ہوتا چلا جارہا ہے۔

دینی مدارس کی قیادت نے وزارت داخلہ، کرائسس مینجمنٹ سیل اور وزارت مذہبی امور کے بجائے ہمیشہ وزارت تعلیم کے ساتھ رجسٹریشن کا مطالبہ اسی لیے کیا کہ مدارس کو امتیازی رویوں اور بیرونی ایجنڈے سے بچایا جاسکے اور

خالصتاً پاکستانی تعلیمی اداروں کے طور پر منوایا اور ڈیل کیا جاسکے لیکن بدقسمتی سے جیسے پہلے وزارت مذہبی امور کے بغل بچہ کے طور پر مدرسہ بورڈ بنایا گیا اور تمام مدارس کو مدرسہ بورڈ کے ماتحت لانے اور مدرسہ بورڈ کو اتحاد تنظیمات سے فائق ایک ہائیر اتھارٹی کے طور پر منوانے کے جتن کیے جاتے رہے- اس عرصے میں ماڈل مدارس قائم کرنے کا غلغلہ بلند ہوا اور بھاری بھرکم بجٹ اور بیرونی امداد کے کالے دھن کو سفید کیا گیا لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا بلکہ الٹا ان ماڈل مدارس کو سنبھالنے اور چلانے کی وفاق المدارس کو بار بار پیشکش کی جاتی رہی بالکل اسی طرح تمام معاہدوں سے انحراف کرتے ہوئے، کئی برسوں کی محنت اور مذاکرات کو سبوتاژ کرتے ہوئے وزارت تعلیم میں ڈائریکٹوریٹ آف مذہبی تعلیم کا ایک الگ سے سسٹم قائم کیا گیا اور وہی مشق اور وہی تجربات دہرائے جانے لگے جو کرائسس مینجمنٹ سیل، ماڈل مدارس اور مدرسہ بورڈ کی صورت میں اس سے قبل بری طرح پٹ چکے تھے بلکہ اب کی بار وہی لوگ جو پانچ بورڈز کو ایک بورڈ بنانے پر اصرار کیا کرتے تھے انہوں نے ہی مدارس کے مسلمہ اور متفقہ بورڈز میں دراڑیں ڈال کر دس مزید بورڈز بنالیے اور جو کام پہلے ماڈل مدارس سے لینے کی کوشش کی گئی تھی اب وہی کوشش نئے بورڈز اور مخصوص افراد کے ذریعے کی جانے لگی۔ جس مقصد کے لیے مدرسہ بورڈ بنایا گیا وہی کام ڈائریکٹوریٹ آف ریلیجیئس ایجوکیشن سے لیا جانے لگا- یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ 1860ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت مدارس کی جو رجسٹریشن اس سے قبل ہوتی تھی وہ صرف 1860ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت نہیں بلکہ اس میں دفعہ 21 کا جو اضافہ کیا گیا تھا وہ طویل مذاکرات، تمام اسٹیک ہولڈرز کی باہمی مشاورت و اعتماد کے ساتھ ہونے والے معاہدوں اور بعد ازاں ان معاہدات کو قانونی شکل دینے کے بعد کیا گیا تھا جبکہ حالیہ بندوبست محض ایگزیکٹو آرڈر کے بل پر قائم ہے جس کی کوئی قانونی اور آئینی حیثیت نہیں۔

ایک مہربان نے اپنے ایک مضمون میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ پرانا طریقہ کار انگریز کا قانون تھا اور مدارس کو انگریز کے قانون سے چھٹکارا دلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ تو بڑی خوش آئند بات ہے کہ انگریز کے قانون سے نجات حاصل کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس نوازش کا مستحق صرف دینی مدارس کو ہی کیوں سمجھا گیا پھر تو انگریز کے تمام قوانین اور پورے نظام سے ہی چھٹکارا پانے کی تگ ودو کرنی چاہیے اور پاکستان کی عدلیہ اور بیوروکریسی میں جہاں جہاں انگریز کا قانون اور نظام رائج ہے اس سے نجات حاصل کرنی چاہیے لیکن مسئلہ صرف 1860ء کے انگریز کے بنائے ہوئے قانون کا نہیں بلکہ اصل مسئلہ آج کے انگریز کے ایجنڈے کی تکمیل اور اس کی ہدایات اور مقاصد کے حصول کا ہے- نائن الیون کے بعد کی صورتحال کی مجبوری، FATF کے تقاضے، بیرونی ڈکٹیشن، چیرٹی ایکٹ، وقف املاک ایکٹ اور دیگر اتنی چیزیں اور پیچیدگیاں در آئی ہیں کہ اب تو

1860ء کا سوسائٹیز ایکٹ غنیمت لگنے لگا ہے۔

بہر حال دینی مدارس کی قیادت کو 1860ء کے ایکٹ یا اس کی دفعہ 21 پر اصرار نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ باہمی مشاورت سے جو متفقہ نئی قانون سازی ہوتے ہوتے رہ گئی اس کی راہ میں روڑے کیوں اٹکائے گئے؟ دینی مدارس کی قیادت کا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ ہم دینی مدارس کی آزادی وخودمختاری پر کسی صورت کمپرومائز نہیں کریں گے اور دینی مدارس کی حریت فکر وعمل کو کسی کے پاس گروی نہیں رکھیں گے کیونکہ یہ دین کا تقاضا اور دینی تعلیم کا بنیادی حق ہے۔ یادش بخیر عبد الرحمن ملک وزیر داخلہ تھے۔ مدارس کے حوالے سے اتحاد تنظیمات مدارس کی قیادت کے ساتھ مذاکرات ہو رہے تھے۔ ہم اپنے مطالبات تحریری طور پر باہمی مشاورت سے لکھ کر لے گئے تھے ہم جو جو پوائنٹ پڑھتے محترم عبد الرحمن ملک کسی مغل بادشاہ کی طرح ہر مطالبہ کو قبول اور منظور کرتے گئے۔ ہر بات سے اتفاق کیا اور جلدی جلدی میڈیا کے سامنے جا کر ان باتوں اور اتفاق رائے کا اعلان کرنے پر اصرار کرنے لگے تو ہم نے ان سے درخواست کی کہ صرف زبانی کلامی کہہ دینا کافی نہیں اس پر کوئی تحریری معاہدہ ہونا چاہیے اور صرف معاہدہ ہی نہیں بلکہ باقاعدہ اسمبلی سے قانون سازی ہونی چاہیے، عمل درامد کا کوئی باضابطہ طریقہ کار ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا" جی جی جیسے آپ کہیں گے ویسے ہی ہوگا" لگتا تھا انہیں بہت جلدی ہے جب ہم باہر نکلے تو ملکی اور غیر ملکی میڈیا کا ہجوم تھا عبد الرحمن ملک صاحب نے مدارس کی قیادت کے ساتھ ایک پر ہجوم پریس کانفرنس کی۔ جن کو او کے رپورٹ دینی تھی۔ جہاں تک پیغام پہنچانا تھا وہ پہنچا دیا گیا لیکن عملی اور قانونی طور پر کچھ بھی نہ ہوا البتہ یہاں اس بات کا تذکرہ نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی کہ عبد الرحمان ملک صاحب کے دور میں مدارس کے ساتھ جو معاہدہ ہوا وہ ایک ایسی دستاویز ہے جس کی بنیاد پر آج بھی مدارس کے مسائل اور معاملات کو حل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں معاہدوں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔ گزشتہ دور حکومت میں ہونے والے معاہدے کو ہی دیکھ لیجیے جس میں جو جو باتیں طے پائی تھیں ان سے مکمل انحراف کیا گیا۔ اس معاہدے میں مدارس کی رجسٹریشن کو اسان کرنے پر اتفاق ہوا لیکن الٹا اسے متنازع بنا دیا گیا۔ اس میں کہیں بھی وزارت تعلیم میں الگ سے ڈائریکٹوریٹ بنانے کی بات نہ تھی لیکن پھر مدارس کو امتیازی اور جبری رویوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اس میں مدارس سے سال میں ایک مرتبہ اور کسی ایک ادارے کے ذریعے کوائف طلبی کا فارمولا طے پایا لیکن اس کے بعد پہلے سے زیادہ ادارے اور اہلکار مدارس کو کوائف طلبی کے نام پر پریشان اور ہراساں کرنے لگے۔ اس میں مدارس کے بینک اکاؤنٹ کھولنے پر آمادگی کا اظہار کیا گیا تھا کہ مالی نظام صاف و شفاف رہے اور اڈٹ کروایا جا سکے لیکن مدارس کے اکاؤنٹ کھولنے پر غیر اعلانیہ پابندی برقرار رہے بلکہ پہلے سے کھلے ہوئے اکاؤنٹس بھی بند کر دیے گئے الغرض ہر معاہدے سے انحراف کیا گیا۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں دینی مدارس کو

بازیچہ اطفال بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔کبھی کارخانوں اورملوں کی طرح مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کے منصوبے بنتے رہے پھر ماڈل مدارس کا تجربہ کیا گیا پھر مدارس کی اجتماعیت کو توڑ کر نئے بورڈ بنائے گئے۔فیک مدارس فیک رپورٹنگ اور فیک اعداد وشمار کی بنیاد پر باہر سے مدارس کے نام پر لی گئی امداد کو ٹھکانے لگایا گیا۔ایک طرف کمزور ملکی معیشت کا رونا رویا جارہا ہے،کئی ادارے ختم کیے جارہے ہیں،کہیں ڈاؤن سازنگ ہورہی ہے لیکن دوسری طرف مذہبی تعلیم کے ڈائریکٹوریٹ کے سارے سیٹ اپ کے لیے کروڑوں روپے کا بجٹ اور فنڈز مختص کیے جاتے ہیں وہی سب کام جو پہلے سے وزارت تعلیم کے اسکولز وغیرہ کو رجسٹر کرنے کے طریقہ کار کے مطابق بڑی سہولت سے اور بغیر کسی اضافی خرچ کے ہوسکتا ہے اس کے لیے اس الگ سے اہتمام اور اتنا سرمایہ لگانے کی کیا ضرورت؟ یہ تو وہی بات ہے کہ ان کی محفل میں مجھ تک دور جام آتا ہی کب تھا ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں اگر رجسٹریشن کا معاملہ اتنا ہی سیدھا اور اتنا ہی سادہ ہے تو پھر اتحاد تنظیمات مدارس کی قیادت کی پریس کانفرنس میں بیان کی گئی تفصیلات کے مطابق طے شدہ معاہدوں کے بعد تمام اسٹیک ہولڈر حتی کہ فوج،اسٹیبلشمنٹ اور دیگر اداروں سمیت تمام لوگوں کو اعتماد میں لیا گیا۔قانونی مسودہ طے پایا۔تمام امور پر اتفاق ہوا۔حضرت اقدس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب نے ایک ہفتہ آسلام اباد میں ڈیرے ڈالے رکھے۔تمام اہم اور بااختیار شخصیات سے ملاقاتیں کی تمام امور پر اتفاق رائے ہوا۔اس وقت پی ڈی ایم کی حکومت تھی۔وزیر اعظم شہباز شریف صاحب اور مولانا فضل الرحمن صاحب اس وقت ایک پیج پر تھے۔اس مسودہ پر وزیر اعظم کے دستخط بھی ہو چکے تھے اور جب اسے اسمبلی میں پیش کیا گیا تو اسمبلی کے بالکل آخری دنوں میں کیوں سب کچھ روک دیا گیا اور پھر سب معاملات زیرو پوائنٹ پر پہنچ گئے؟ دینی مدارس کی قیادت کی جانب سے بار بار اس موقف کا اظہار کیا جارہا ہے ہم مدارس کی آزادی وخودمختاری پر کسی صورت بھی کمپرومائز نہیں کریں گے۔رجسٹریشن یا کسی بھی عنوان سے کوئی ایسا پھندہ جو مدارس کی حریت فکر وعمل کا گلہ گھونٹ دے اور مدارس کے مقاصد کے منافی ہو وہ کسی طور پر قبول نہیں۔مدارس کے ساتھ امتیازی سلوک اور امتیازی رویوں کا بہر قیمت خاتمہ ہونا چاہیے۔مدارس کی قیادت اور مدارس کے اساتذہ وطلباء کو دوسرے درجے کا شہری یا مشکوک سمجھنے کی بجائے محب وطن شہری تسلیم کیا جائے۔رجسٹریشن اور کوائف طلبی کا عمل ملکی قوانین کے تابع اور مقامی حالات وضروریات کے مطابق ہو اس میں کسی قسم کی بیرونی ڈکٹیشن،مداخلت اور فنڈنگ قابل قبول نہیں۔ہم نے پہلے بھی مفاہمت اور باہمی مذاکرات سے تمام مسائل اور معاملات کا حل نکالا اور اب بھی ہم وہی مفاہمت اور معاونت والی روش اپنائیں گے لیکن دوسری طرف سے بھی ہم اسی طرز عمل کی توقع رکھتے ہیں-اللہ رب العزت ہمارا حامی وناصر اور وطن عزیز کا محافظ ہو آمین!۔

مقالات ومضامین

قرآن حکیم کی عظمت

اصلاحی، قانونی اور سیاسی نقطہ نظر سے

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی نوّرَ اللہ مرقدہ

قرآن کی اصلاحی عظمت

(دوسرا و آخری حصہ) انسانی اصلاح کا اصلی مرکز دل ہے۔ جب وہ درست ہو جائے تو باقی اعضا خود بخود ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ جیسے بخاری میں نعمان بن بشیر کی حدیث مرفوع میں صلح الجسد کلہ آیا دل روح انسانی کا اصلی مستقر ہے۔ تو گویا روح کی اصلاح پر پوری شخصیت کی اصلاح ملتی ہے روح عالم امر سے ہے۔ جیسے قرآن میں آیا ہے: قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ؛ تو اس امر بی کی اصلاح بھی امر بی یعنی کلام الٰہی سے ہوگی۔ اور کلام الٰہی فی الحقیقت غذا روحانی ہے۔ بدن زمین سے ہے. اس کی غذا بھی زمین سے ہے۔ اور روح امر سماوی ہے۔ اس کی غذا بھی سماوی ہے یعنی کلام الٰہی سے ہوگی۔ اگر جسم و بدن کی نشونما اور قوۃ وارتقا زمین سے حاصل کردہ غذا کے بغیر ممکن نہیں تو روح کی ترقی وقوت اور نشو ونما آسمانی غذا یعنی کلام الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ اب یہ فیصلہ کہ قرآن واقعی ایک عظیم روحانی غذا اور کلام الٰہی ہے یا نہیں۔؟ تو اس کا فیصلہ تمام غذاؤں کے اصول کے قانون کے مطابق کیا جائے گا۔ اگر غذا کے استعمال سے درستی ہوئی۔ ضعف و کمزوری رونما نہ ہوئی، بلکہ سابق کمزوری بھی دور ہوئی تو ایسی غذا صحیح اور مقوی غذا ہے۔ اور اگر کمزوری دور نہ ہوئی بلکہ زیادہ ہوئی تو غذا صحیح نہیں۔ اب قرآن کے نسخہ کو صحابہ کرام نے استعمال کیا۔ ان کی زندگی قبل از اسلام وقبل القرآن تمام برائیوں سے لبریز تھی۔ خدا پرستی کی جگہ بت پرستی، اتحاد کی جگہ خانہ جنگی تھی۔ عدل کا نام نہ تھا۔ بلکہ ظلم پر فخر کیا جاتا تھا، زنا، شراب، سودخوری میں ابتلا عام تھا۔ اصلاح کے اسباب میں سے کوئی سامان موجود نہ تھا، نہ تعلیم تھی نہ تربیت، نہ عدالت نہ قانون، نہ تعزیرات وسزا ،لوٹ کھسوٹ زندگی کا عام معمول تھا۔ قرآن آیا۔ اور ایسے لوگوں کی اصلاح کے لئے آیا۔ پھر قرآن کی اصلاح کے لئے وقت بھی بہت تنگ ملا۔ نبوت کے تئیس سالہ زمانہ میں تیرہ سال کی زندگی میں تو قرآن کی آواز کفار کے جبر واستبداد کی وجہ سے بند تھی کہ قرآن کی دعوت موت کو دعوت دینے کے برابر تھی۔ ہجرت کے بعد کی گیارہ سالہ زندگی میں اکثر حصہ کفار عرب کی جنگوں اور حملوں کی مدافعت میں گذرا۔ بمشکل تین چار سال صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد کے ایسے ملے کہ قرآن کو عرب پر اصلاحی اثر ڈالنے کا موقع ملا؛ لیکن اس مختصر عرصہ میں قرآن نے عرب پر وہ اثر ڈالا، اور ایسی جماعت تیار ہوئی جن کا ظاہر وباطن، اخلاق، عقائد، اعمال، معاملات، معاشرہ، سیاست اور بین الاقوامی تعلقات ایسے بن گئے؛

جن کی نظیر تاریخ بشری میں نہ پہلے گزری ہے نہ آئندہ ممکن ہے۔کیا آپ دنیا کی کوئی ایسی کتاب بتا سکتے ہیں جس سے تھوڑے عرصہ میں ایسی ہستیاں پیدا ہوئی ہوں جن کا ایک ایک وصف بے مثال ہو، مثلاً صدیق کی صداقت، فاروق اعظم کا عدل وسیاست، خالد بن ولید کی فوجی قیادت، عمرو بن عاص کا تدبر، پھران سب امور میں خدا سے تعلق، شاہی میں درویشی کا رنگ، یہ سب کچھ قرآن کی تعلیم اور حضور علیہ السلام کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ یہ عظیم اور بے مثال اصلاحی کارنامہ جو عرب میں اور بعد از اں چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔قرآن کی عظمت کے لئے محبت قاطعہ نہیں؟۔

قرآن کی قانونی عظمت:

قانون ہر مخلوق کی زندگی کا ضابطہ ہے، خواہ جمادات ہوں، نباتات یا حیوانات یا انسان؛ فرق صرف یہ ہے کہ انسان کے ماسوا امور ایک جبری قانون میں جکڑے ہوئے ہیں جس کو ہم قانون قدرت کہتے ہیں۔ آسمان کے ستارے وسیارے ایک خاص نظام حرکت سے مربوط ہیں، اس نظام کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ پانی بلندی سے پستی کی طرف جاتا ہے۔اس کے خلاف نہیں کرسکتا۔ زمین سمندر کے نیچے رہے گی پانی کے اوپر نہیں تیرسکتی۔ رتی بھر سوئی کو سمندر میں ڈال دو تو ڈوب جائے گی لیکن سینکڑوں ٹن کا جہانہ سمندر پر تیرتا ہے گا۔ درختوں کی جڑیں نیچے جائیں گی، اور شاخیں اوپر۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ شاخیں نیچے جائیں اور جڑیں اوپر، مویشی گھاس کھائیں گے اور گوشت نہیں کھائیں گے لیکن درندے گوشت کھائیں گے اور گھاس نہیں کھائیں گے۔ یہ ان مخلوقات کی قانونی زندگی کی دلیل ہے۔ جو قانون قدرت کے تحت ان پر عادی ہے اور ان کے خلاف ان کو مجال دم زدن نہیں کیونکہ یہ جبری قانون ہے۔

آسمان مجبور ہیں شمس وقمر مجبور ہیں
انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں

یہی جبری قانون انسان پر بھی حاوی ہے کہ وہ قدموں کے بل چل سکتا ہے سر کے بل نہیں چل سکتا، لیکن انسان کے لئے اختیاری قانون بھی ہے جس کا کرنا نہ کرنا اس کے اختیار میں ہے۔اس لئے انسان فاعل مختار ہے۔ اسی اختیار پر حسن قبح نقص دکمال ثواب وعقاب کا مدار ہے. اس لیے قانون شریعت ہے اگر بنانے والا خدا ہو۔ اور قانون انسان ہے۔ اگر بنانے والا انسان ہو خواہ ایک فرد ہو بادشاہ یا ڈکٹیٹر یا جماعت ہو یا پارلیمنٹ؛ لیکن نفس قانون اختیاری کی ضرورت تمام اقوام میں مسلم ہے. اس لئے کوئی ملک اور کوئی حکومت قانون سے خالی نہیں۔ اب ہم کو یہ طے کرنا ہے کہ قانون اختیاری انسان کا حق ہے یا خدا کا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ضرورت قانون کی اصلی وجہ یا وجوہات بیان کریں:

ا۔ انسان میں جب تک خواہش موجود ہے وہ دوسروں کا حق مارنے سے دریغ نہیں کرے گا، اور جب تک اس میں غضب کا جذبہ موجود ہے، وہ دوسروں پر دست درازی سے باز نہیں آئے گا۔ پہلی صورت میں مال کو خطرہ ہوگا اور دوسری صورت میں جان کو۔ جس کے تحفظ کے لئے دیوانی وفوجداری قوانین کا وجود ضروری ہے تاکہ مال اور جان محفوظ رہ سکے، کیونکہ یہ تو ممکن نہیں یہ دونوں خطرے جذبے جو لوازماتِ انسانیت سے ہیں موجود ہوں اور ان کے نتائج موجود نہ ہوں۔ اب اقامت عدل اور تحفظ حقوق انسانیہ کیلئے قانون سازی کیا انسان کا حق ہے یا خدا کا؟۔ یہ فیصلہ آسانی سے سمجھ میں آسکے گا جبکہ مندرجہ ذیل امور ذہن نشین ہوں۔ قانون ساز قوت میں مندرجہ ذیل امور کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱)علم تام (۲)عدل کامل (۳)رحمت وشفقت کاملہ (۴)غیر جانبداری

یہ چار امور صرف اللہ کی ذات میں موجود ہیں۔ انسان خواہ فرد ہو یا جماعت ان سے خالی ہے۔ لہٰذا انسان کو قانون اور ضابطہ حیات کی تشکیل کا حق نہیں۔ پہلی چیز یعنی علم تام وہ انسان کو حاصل نہیں۔ اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں میں انسانی قانون کی وقتاً فوقتاً تبدیلی اس امر کی دلیل ہے کہ انسان کے علم اور اس کے قانون میں نقص موجود ہے۔ پھر ایک ملک کا قانون دوسرے ملک سے اور ایک پارلیمنٹ کا قانون دوسری پارلیمنٹ سے مختلف ہے جو انسانی علم کے تردد وتشکک کی دلیل ہے۔ لیکن خالق کائنات کا علم مکمل ہے۔ پھر خدا انسانی زندگی کے ہر دور کے خیر وشر کو جانتا ہے۔ خواہ دنیوی زندگی سے متعلق ہو یا برزخ وقبر سے یا آخرت سے، لیکن انسان کو اگر کسی حد تک علم ہے تو صرف دنیا کا علم اور وہ بھی حال کا علم نہ کہ مستقبل کے امور کا۔ باقی برزخ وآخرت کے امور زیادہ تر انسان کی عقل وحواس سے غائب ہیں۔ لہذا انسانی پارلیمنٹ اگر نفع سمجھ کر سود وقمار کے جواز کا قانون پاس کردے تو اس کی نظر سے سود وقمار کے مستقبل کے مہلک اثرات ونتائج غائب ہوتے ہیں، اور قبر وآخرت کی جو مضرت ان دونوں چیزوں میں ہوگی وہ بھی اس کے دائرہ عقل سے خارج ہے۔ لیکن خالق کائنات جو اصل سرچشمہ قانون ہے۔ صرف اس کا علم تام ان سب پر حاوی ہے۔ اور انسان کے حقیقی نفع ونقصان کہ وہی جانتا ہے۔ اور سود وقمار کے مستقبل اور برزخ وآخرت کے تباہ کن اثرات بھی جانتا ہے۔ لہٰذا اس کا قانون صحیح علم پر مبنی ہے کہ یہ دونوں امور ناجائز ہیں۔

پھر بڑی بات یہ ہے کہ انسانی عقل وفہم میں زیادہ خواہش وعادت کی دخل اندازی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی پارلیمنٹوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ممبران کی اکثریت ان قوانین کو بناتی ہے جن کی برائی میں کوئی شبہ نہیں۔ جیسے انگلستان اور کینیڈا کی پارلیمنٹ نے جواز لواطت کا قانون پاس کیا، اس کے علاوہ انسان ذاتی مفاد اور قومی مفاد کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ لہٰذا عمومی مفاد ودیگر اقوام کے ساتھ انصاف کا عملاً حامی نہیں ہوسکتا۔ جس کی بڑی دلیل

دنیا کے سب سے بڑے عالمی ادارہ امن وانصاف کا طرز عمل ہے؛ جس میں چھوٹی بڑی سو کے قریب اقوام شامل ہیں،لیکن درحقیقت یہ ادارہ دنیا کی پانچ بڑی طاقتوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کررہ گیا ہے۔اور آج تک وہ کسی مظلوم قوم کو اس کا حق نہ دلا سکا۔ بلکہ اعلان حق تک نہ کرسکا۔اس تجربہ کے بعد موجودہ دور کے انسان سے قانون انصاف کی توقع سعی لاحاصل ہے۔اس بڑے عالمی ادارے کا یہ قانون ہے کہ پانچ بڑی طاقتوں کو ویٹو پاور یعنی حق تنسیخ حاصل ہے۔یعنی ان پانچ طاقتوں میں سے کوئی ایک بھی اگر ایک مظلوم ملک یا قوم کا مسئلہ زیر بحث نہ لانا چاہے تو اس پر اس ادارہ میں بحث نہیں ہوسکتی؛ حالانکہ ظالم اکثر بڑی طاقتیں ہوتی ہیں، جب ان کے خلاف کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوسکتا۔تو مظلوم کی حق رسی کیونکر ممکن ہوگی؟۔یہی وجہ ہے کہ اس ادارے کی صحیح حقیقت وہی ہے، جو مستقل مندوبِ پاکستان سید احمد شاہ بخاری نے اپنے طویل تجربے کے بعد اخبار جنگ ۶ رستمبر ۱۹۶۷ء میں شائع کی، یہ تقریر انہوں نے، جنوری ۱۹۵۳ء میں کی تھی۔تقریر یہ ہے کہ اگر مجلس اقوام متحدہ میں دو چھوٹی قوموں کا تنازعہ در پیش ہوتو وہ تنازعہ اور مقدمہ غائب ہوجائے گا۔اور اگر تنازعہ ایک چھوٹی اور ایک بڑی قوم کا ہو،تو چھوٹی قوم غائب ہو جائے گی۔اور اگر یہ تنازعہ دو بڑی قوموں میں ہوتو خود اقوام متحدہ غائب ہوجائے گی۔یہ ہے دور حاضر کی انتہائی تعلیم کے بلندترین انسانوں کے انصاف اور قانون کا مظاہرہ ؎

قیاس کن زگلستان ما خزان مرا

اس لئے انصاف اور قانون کا سرچشمہ صرف اللہ ہے،جس کا قانون قرآن کی شکل میں محفوظ ہے جس سے قرآن کی عظمت نمایاں ہوجاتی ہے ان الحکم الا للہ!۔قانون دنیا صرف خدا کا حق وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا اللہ کا کلام سچائی اور انصاف کے لحاظ سے تام اور کامل ہے۔بقول علامہ اقبالؒ ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
اک وہی ہے حکمراں باقی بتانِ آذری

غیر حق چوں ناہی و آمر شود
زور در بر ناتواں تا ہر شود

قرآن کی عظمت کے متعلق یورپ کے محققین کی شہادت:

سر دلف لکھتا ہے: وسیع جمہوریت رشد و ہدایت ،فوجی تنظیم، مالیات، غرباء کی حمایت اور ترقی کے اعلیٰ آئین قرآن میں موجود ہے۔

۲۔ڈاکٹر مولیس فرانسیسی لکھتا ہے:

قدرت کی عنایتوں نے جو کتابیں انسان کو دی ہیں، قرآن ان سب سے افضل ہے۔

۳۔ڈاکٹر سموئیل لکھتا ہے:

قرآن کے مطالب ایسے ہمہ گیر اور ہر زمانے کیلئے موزوں ہیں کہ تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کرتی ہیں اور محلوں، ریگستانوں، شہروں اور سلطنتوں میں گونجتا ہے۔

(تاریخ اسلام عبدالقیوم ندوی ۱۵ ص ۲۲ تا ص ۲۳۳)

۴۔جارج سیل لکھتا ہے:

کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا۔ اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑا معجزہ ہے۔

۵۔ارمیکسیوئیل لکھتا ہے:

اگر وحی کوئی چیز ہے تو بیشک قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔(تاریخ اسلام، عبدالقیوم ندوی)

قرآن کی عظمت سیاسیہ

قرآن نے اپنے ماننے والوں اور مومنین عالمین کو تو سیاسی قوت عطا کی ہے، اسکی نظیر تاریخ بشری میں موجود نہیں۔ یہ سیاسی قوت بخشی قرآن کا سیاسی معجزہ ہے۔ قرآن کا براہ راست نزول عرب تقویم میں ہوا جو اکثر اقوام عالم سے تعداد میں کم جسم میں کمزور، دولت وثروت سے محروم اور علم وہنر سے خالی تھے۔ نزول قرآن کے وقت عرب صرف موجودہ سعودی عرب اور یمن کا نام تھا، مصر، عراق، شام، فلسطین اردن، لبنان، طرابلس، تیونس، الجزائر یہ غیر عرب ممالک تھے جو اسلامی فتوحات کے بعد عرب ممالک بن گئے۔ دنیا عالم اسباب ہے، اور سیاسی غلبہ اور قوت کے لئے آٹھ اسباب مادی کا ہونا ضروری ہے۔ جب ایک قوم دوسری قوم سے ان اسباب کے لحاظ سے فائق ہو تو پہلی قوم دوسری قوم پر سیاسی غلبہ حاصل کرلیتی ہے۔ وہ آٹھ اسباب حسب ذیل ہیں:

۱۔عددی کثرت، اکثر حالات میں کثیر التعداد قوم قلیل التعداد قوم پر فتح پاتی ہے، لیکن عرب قوم کی تعداد دیگر اقوام کی نسبت بہت کم تھی، یہاں تک کہ نزول قرآن کے زمانے میں بھی تعداد دو چار لاکھ افراد بالیقین سے متجاوز نہ تھی۔

۲۔دوسری چیز صنعت ہے، تاکہ اس کے ذریعہ آلات جنگ اور پوشاک مہیا کرسکے۔ لیکن عرب میں نہ کارخانہ تھا، نہ صنعت تھی، یہاں تک کہ عمدہ تلوار ہندوستان سے حاصل کی جاتی تھی جسکو "سیف مہند" کہتے تھے۔ اور پوشاک شام کے عیسائیوں سے۔

۳۔تیسری چیز تعلیم ہے، سیاسی اقتدار اور نظم ونسق مملکت چلانے کیلئے تعلیم ضروری ہے۔

مین عرب اُمّیین یعنی ناخواندوں کا ملک تھا، نہ کوئی مکتب نہ مدرسہ نہ کتاب۔

۴۔ چوتھی چیز اتفاق ہے، تاکہ افراد کی منتشر توت منظم ہو کہ ایک ہی مقصد کی طرف متوجہ سکے۔لیکن عرب کا ہر قبیلہ دوسرے کا دشمن تھا۔انصار مدینہ کے دو قبیلے اوس وخزرج آپس میں دشمن تھے۔اور سالوں ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔

۵۔ پانچویں چیز زراعت ہے، تاکہ ضروریاتِ زندگی میں ملک خودکفیل ہو سکے۔ اور غذائی ضروریات مہیا ہوں۔لیکن غذا میں عرب غیر اقوام کے محتاج تھے۔خُرما کے سوا ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔اور وہ بھی صرف بعض علاقوں میں۔اس لئے قرآن نے حجاز کے متعلق فرمایا ہے۔بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ یعنی وہ زمین جو بن کھیتی والی ہے۔

۶۔چھٹی چیز معدنی دولت ہے، نزول قرآن کے وقت کے عرب میں کسی معدنی دولت کا وجود نہیں تھا۔اب جو کچھ عرب میں نظر میں آرہا ہے، وہ دور حاضر کی پیداوار ہے۔

۷۔ساتویں چیز جسمانی قوت ہے، عرب گرم ملک تھا، ضروری غذا بھی میسر نہ تھی۔ پانی کی بھی کمی تھی۔سردی اور گرمی سے بچنے کیلئے نہ ضروری مکانات تھے اور نہ مناسب لباس، اکثر آبادی خانہ بدوشوں کی تھی جو چھولداروں میں رہا کرتی تھی۔ بیمار ہوتے تو نہ کوئی علاج تھا، نہ مناسب غذا،ان حالات میں ان کے اجسام عام اقوام سے نہایت نحیف کمزور اور ضعیف تھے۔

۸۔آٹھویں چیز اخلاقی قوت ہے، جو روحانی اور اخلاقی قوت توحید سے حاصل ہوتی ہے، اور یہی اعلیٰ اور پاکیزہ عقیدہ روح کو قوت بخشتا ہے۔لیکن عرب آبادی پتھروں کے تراشے ہوئے بتوں کی پرستش کرتی تھی جس کی وجہ سے اخلاقی اور روحانی قوت سے بھی محروم تھی۔

یہ حالات تھے کہ عرب میں قرآن کا نزول ہوا۔نئی زندگی کے تیرہ سالہ عرصہ میں قرآن کی آواز کفار کے جور وستم کی وجہ سے دَبی رہی کیونکہ قرآن کی دعوت اور اس کا سننا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، مدنی زندگی کا اکثر حصہ غزوات وسرایا کے شغل میں گذرا اور عرب کو قرآن کے قریب آنے کا موقع نہ ملا کچھ مدت صلح حدیبیہ کے بعد اور کچھ فتح مکہ کے بعد ایسی ہے جو چار پانچ سال سے زیادہ نہیں کہ قرآن کو عرب پر اثر اندازی کا موقع ملا لیکن ہوا کیا؟ ہوا یہ کہ عرب بعد القرآن کو عرب قبل القرآن سے کوئی نسبت ہی نہیں رہی۔اس کم مدت میں قرآن نے عرب کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔عرب کو قرآن نے ایسا فیض بخشا اور وہ ایک ایسی قوم بن گئی جو تنظیم، اتحاد، اخلاق بلند خیالی، اولوالعزمی، ایثار، قربانی خدا پرستی، شجاعت، سخاوت، قناعت، عفت، پاکدامنی، عدل وانصاف، امانت، دیانت میں بے مثال قوم بن گئی۔اسی طرح جہانگیری، جہاں بانی میں بھی بے نظیر تھی۔رحمت وشفقت، عقل وتدبیر، پابندی عہد و

قول، راست بازی میں کوئی قوم ان کے ہمسر نہ پہلے گذری اور نہ آئندہ ممکن ہے۔ یہاں تک کہ انسانیت کی پوری تاریخ ان کے اخلاق اور خوبیوں کی نظیر پیش کرنے سے خالی ہے۔ یہی وجہ یعنی کہ ان آٹھ کمزوریوں کے باوجود جو ابھی ہم نے ذکر کیں، انہوں نے بیک وقت دنیائے شرق دغرب کی دو عظیم متمدن اور ہزاروں سالوں کی مستحکم سلطنتوں کسریٰ وقیصر سے ٹکر لی۔ اوران دونوں عظیم حکومتوں کو غبار بنا کر رکھ دیا۔ ان میں سے ہر حکومت دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ معجزانہ اوراسباب مادیہ کے خلاف یہ سیاسی غلبہ جو عرب کو حاصل ہوا جس کی طوفانی موجیں شرق میں کاشغراور دیوار چین سے ٹکرائیں اور مغرب میں مراکش الجزائر ہسپانیہ اور فرانس تک پہنچیں؛ اس کے اسباب یا مادی ہوں گے یا روحانی وغیبی۔ پہلا سبب جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، عرب کو حاصل نہ تھا بلکہ عرب کے حریف اور دشمن طاقتوں کو حاصل تھا۔ تو مجبوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ روحانی قوت کا کرشمہ تھا جو قرآن کے فیض سے عرب کو حاصل ہوا۔ جس سے قرآن کی سیاسی عظمت وتفوق بخشی کی مقناطیسی قوت ثابت ہوگئی۔

(بقیہ: ارض الرباط (شام وفلسطین) احادیث کی روشنی میں)

(۱) امریکہ اور مغربی طاقتیں جو ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں اور اسرائیل کی مدد کر رہے ہیں ان سے مسلمانوں کو گھبرانا نہیں چاہیے۔

(۲) جو مسلمان، افراد، تحریکیں یا نام نہاد مسلم ممالک ان کی مخالفت پر آمادہ ہیں، یا در پردہ ان کے دشمنوں کے ساتھ ہیں انہیں اپنی خیر منانی چاہیے اور اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے، اور مرنے کے بعد انجام کو سوچنا چاہیے۔

(۳) جو یورپین یا غیر مسلم اور مسلم ممالک باوجود یہ کہ ان کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں مگر مدد کرنے سے بے بس ہیں ان سے مسلمانوں کو زیادہ امید نہیں رکھنی چاہیے۔

(۴) جو مسلم حکومتیں صرف اپنی عارضی مصلحتوں کی وجہ سے اسرائیل سے مکمل قطع تعلق کا اعلان کرنے کی ہمت نہیں کرتیں انہیں اپنے رویے پر غور کرنا چاہیے اور اللہ کے یہاں جواب دہ ہونے کا احساس کر کے ڈرنا چاہیے۔

(۵) تمام اہل ایمان کو اسکی تمنا کرنی چاہیے کہ ہم ان مجاہدین حق میں شامل ہوجائیں، یا کم سے کم ان کی جو مدد کر سکتے ہوں کریں۔ اپنی دعاؤں اور جذبات کے ذریعے، اپنے مال اور پیسوں کے ذریعے، یا اپنی زبان وقلم کے ذریعے جو کچھ ان کے حق میں کر سکیں، اس سے ہرگز دریغ نہ کریں۔ اللہ ہمیں توفیق دے، آمین!۔

اَسانیدِ حدیث میں وارِد حرف ''حا'' کی تحقیق

(دوسرا وآخری حصہ)

مولانا مفتی ابوالخیر عارف محمود گلگتی

محدثین کے نزدیک اس رمز کے استعمال کا طریقہ: محدثین متعدد طریقوں سے اس رمز کو استعمال کرتے ہیں:

پہلا طریقہ: ہر سند اول سے لے کر جس راوی پر مدار سند ہو اس سے پہلے والے راوی تک ذکر کی جائے، پھر ''ح'' کا رمز لایا جائے، پھر جس راوی پر تمام اسانید کا مدار ہو اسے لایا جائے اور پھر باقی سند اور متن ذکر کیا جائے۔ استقرا کے مطابق محدثین زیادہ تر اسی طریقہ کو استعمال کرتے ہیں۔

مثال: قال الإمام مسلم - رحم الله تعالى -: حدثنا يحيى بن يحيى، أخبرنا أبو معاوية، (ح) وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا أبو معاوية ووكيع، (ح)، وحدثنا ابن نمير، حدثنا أبي، جميعا عن الأعمش، عن عبد الله بن مرة، عن مسروق، عن عبد الله، قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: » ليس منا مَن ضرب الخدود، أو شق الجيوب، أو دعا بدعوى الجاهلية «.

هذا حديث يحيى، وأما ابن نمير وأبو بكر فقالا: » وشق، ودعا « بغير ألف. (44)

مثال کی وضاحت: (اس مثال میں تمام اسانید کا مدار اعمش پر ہے، امام مسلم نے تمام اسانید میں اعمش سے پہلے والے راوی تک سند بیان کی، پہلی سند (یحیی والی) میں مدار سند اعمش سے پہلے ابو معاویہ تک سند بیان کی پھر تحویل سند کے لیے (ح) لائے، اس کے بعد تیسری سند (ابن نمیر والی) میں مدار سند اعمش سے پہلے نمیر تک سند بیان کی پھر مدار اسانید اعمش اور باقی سند اور متن کو ذکر کیا)۔

دوسرا طریقہ: دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر سند اول تا آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری بیان کی جائے اس کے بعد تحویل سند کے لیے (ح) لایا جائے، پھر اگلی سند، یا اسانید ذکر کی جائیں اور اس کے بعد پورا متن لایا جائے۔

مثال: قال الإمام البخاري: حدثنا أبو معمر، ثنا عبد الوارث، ثنا يونس، عن حميد بن هلال، عن أبي صالح، أن أبا سعيد قال: قال النبي - صلى الله عليه وسلم - (ح). وحدثنا آدم بن أبي إياس،، قال: حدثنا سليمان بن المغيرة، قال: حدثنا حميد بن هلال العدوي، قال: حدثنا أبو صالح السمان، قال: رأيت أبا سعيد الخدري في يوم جمعة يصلي إلى شيء يستره من الناس فأراد شاب من بني أبي مُعَيط أن يجتاز بين يديه، فدفعه أبو سعيد في صدره.... (45)

مثال کی وضاحت: (دیکھیے اس مثال میں امام بخاری نے دوسندوں میں سے پہلے ابومعمر کی پوری سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کی، اس کے بعد تحویل سند کے لیے (ح) لے کر آئے، پھر دوسری سند آدم بن ابی ایاس کی پوری سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کی، اس کے بعد متن ذکر کیا)۔

تیسرا طریقہ: تیسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سند اول مکمل بیان کی جائے اور اس کے ساتھ متن کا کچھ حصہ بھی ذکر کیا جائے، اس کے بعد تحویل سند کے لیے (ح) کا رمز لایا جائے پھر دوسری سند، یا اسانید ذکر کی جائیں اور اس کے بعد پورا متن لایا جائے۔

مثال: قال الإمام البخاري: حدثنا محمود، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر: بعث النبي-صلى الله عليه وسلم-خالدا (ح)، وحدثني أبو عبد الله نعيم بن حماد، أخبرنا عبد الله، أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سالم، عن أبيه، قال: بعث النبي-صلى الله عليه وسلم-خالد ابن الوليد إلى بني جذيمة، فلم يحسنوا أن يقولوا أسلمنا، فقالوا: صبأنا صبأنا... (46)

مثال کی وضاحت: (دیکھیے اس مثال میں امام بخاری نے دوسندوں میں سے پہلے سند اول پوری کچھ متن کے ساتھ بیان کیا، اس کے اس کے بعد تحویل سند کے لیے (ح) لے کر آئے، اور پھر دوسری سند اور پورا متن ذکر کیا)۔

دوسرا اور تیسرا طریقہ عام طور سے امام بخاری رحمہ اللہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ تفصیل تو محدثین کا اس رمز کو لانے کے طریقہ سے متعلق تھی۔

سند عالی اور نازل میں تقدیم وتاخیر کی ترتیب: دوسندوں میں سے ایک کو دوسری سند پر مقدم کرنے کے طریقہ کے بارے میں محدثین کا باہم اختلاف ہے، اس بارے میں ان کے دو قول ہیں: پہلا قول: متقدمین محدثین فرماتے ہیں کہ سندِ عالی سے ابتدا کریں گے یعنی سندِ عالی کو مقدم کریں گے۔(47) دوسرا قول: محدثین میں سے جمہور متاخرین فرماتے ہیں کہ سندِ نازل سے ابتدا کریں گے یعنی سندِ نازل کو مقدم کریں گے۔(48) امام سخاوی نے فرمایا کہ جب دوسندیں ایک ساتھ جمع ہو جائیں، ان میں سے ایک اعلیٰ ہو تو کس سے ابتدا کی جائے گی؟، تو محدثین میں سے جمہور متاخرین نازل سے ابتدا کرتے ہیں، تاکہ اس کے بعد سندِ عالی کا لانا باعث فرحت ہو، جب کہ محدثین میں سے اکثر متقدمین سندِ عالی کے شرف ومقام کی وجہ سے اس سے ابتدا کرتے ہیں۔

قول اول کی مثالیں: پہلی مثال: صحیح بخاری میں آیا ہے: حدثنا محمد بن سنان، قال: حدثنا فليح، (ح)، وحدثني إبراهيم بن المنذر، قال: حدثنا محمد بن فليح، قال: حدثني أبي. (49)

وضاحت: دیکھیے اس مثال میں امام بخاری دوسندوں کو ایک ساتھ لائے ہیں، پہلی سند یہ ہے:" حدثنا محمد بن

سنانقال: حدثنافليح

دوسری سند یہ ہے: ”وحدثني إبراهيم بن المنذر، قال: حدثنا محمد بن فليح، قال: حدثني أبي“، **ان میں سے پہلی سند میں صرف دو رجال ہیں، بنسبت دوسری سند کے اس کے رجال کم ہیں، یہ عالی سند ہے، اس لیے امام بخاری نے اس کو سند نازل پر مقدم کیا ہے اور ان دونوں سندوں کے درمیان تحویل پر دلالت کے لیے (ح) لے کر آئے ہیں۔**

دوسری مثال: صحیح بخاری ہی میں آیا ہے:

حدثنا عبدان، قال: أخبرني أبي، عن شعبة، عن أبي إسحق، عن عمرو بن ميمون، عن عبد الله-رضي الله عنه- قال: بينا رسول الله- صلى الله عليه وسلم- ساجد، (ح) وحدثني أحمد بن عثمان، قال: حدثنا شريح بن مسلمة، قال: حدثنا إبراهيم بن يوسف، عن أبيه، عن أبى إسحق. (50)

وضاحت: دیکھیے اس مثال میں امام بخاری دو سندوں کو ایک ساتھ لائے ہیں، تحویل کے تیسرے طریقہ کے مطابق پہلی سند کے ساتھ تھوڑا سا متن بھی ذکر کیا، پھر (ح) لائے اور اس کے بعد دوسری سند کو لائے، پہلی سند میں دوسری کی بنسبت رجال کم ہیں، یہ سندِ عالی ہے اس لیے اس کو دوسری پر مقدم کیا، پہلی سند جو کہ عالی ہے وہ یہ ہے:

حدثناعبدان، قال: أخبرني أبي، عن شعبة، عن أبي إسحق، عن عمرو بن ميمون، عن عبد الله رضي الله عنه

اس کے ساتھ متن کا تھوڑا سا حصہ ذکر کیا: ”قال: بينا رسول الله- صلى الله عليه وسلم- ساجد“، **پھر تحویل سند کے لیے (ح) لائے، پھر دوسری سند کو ذکر کیا جو کہ نازل ہے: ”وحدثني أحمد بن عثمان، قال: حدثنا شريح بن مسلمة، قال: حدثنا إبراهيم بن يوسف، عن أبيه، عن أبي إسحق“۔**

تیسری مثال: صحیح مسلم میں آیا ہے: حدثنا محمد بن عبد الله بن نمير، وعبد الله بن سعيد الأشج جميعا عن وكيع... حدثنا إسحاق بن إبراهيم، أخبرنا عيسى بن يونس، (ح) وحدثنا محمد بن أبي بكر المقدمي، وأبو بكر بن نافع، قالا: حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان- كلاهما- عن الأعمش... حدثنا عثمان بن أبي شيبة، حدثنا جرير، (ح) وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، وأبو كريب وزهير بن حرب، قالوا: حدثنا أبو معاوية- كلاهما- عن الأعمش. (51)

وضاحت: دیکھیے ان اسانید میں امام مسلم نے سند عالی کو نازل پر مقدم کیا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم کسی نکتہ یا ضرورت کے بغیر مذکورہ قاعدہ کے خلاف نہیں کرتے، مثال کے طور پر امام بخاری نے پہلے سند کے ساتھ ایک حدیث

ذکر کی : ''ثنا مسدد، ثنا يحيى بن سعيد، عن سفيان...'' پھر صرف سند کے ذکر پر اکتفا فرمایا: ثنا أبو نعيم عن سفيان عن أبي إسحق نحوه بهذا'' (52)(53) اس مثال میں پہلی سند نازل اور دوسری عالی ہے جو کسی ضرورت کی وجہ سے موخر کی گئی ہے۔

محدثین کے نزدیک اس رمز کے نطق کی کیفیت: بوقت قراءت اس رمز کو کیسے ادا کیا جائے گا؟ اس میں محدثین کا اختلاف ہے، کیا قاری اس کو ویسے ہی ادا کرے گا جیسے یہ ہے؟ یعنی (ح) یا پڑھتے وقت جس غرض سے رمز لایا گیا ہے اس کی طرف اشارہ کرے گا؟ یا یہ کہ اس کو بالکل بھی نہیں پڑھا جائے گا؟۔ اس بارے میں محدثین کے تین قول ہیں۔

مذہبِ اول: اکثر محدثین کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ اس رمز کو جیسا لکھا جاتا ہے قاری ویسا ہی پڑھے گا، یعنی (حا) اکیلا حا مہملہ مقصورہ کی طرح پڑھ کر اپنی قراءت کو جاری رکھے گا۔(54) علامہ سخاوی نے فرمایا کہ جمہور سلف کا یہی مسلک ہے، خلف نے سلف سے یہی حاصل کیا ہے، بعض اہل بغداد کا بھی یہی قول ہے، ابن صلاح نے بعض علماء مغاربہ سے ایسے ہی سنا ہے، لیکن (اس کے باوجود) یہ بالکل (سو فیصد) متعین نہیں، البتہ ابن صلاح کے بقول یہ تمام صورتوں میں سب سے احوط اور اعدل ہے۔(55)

ابن الصلاح کا قول: اللہ تعالی ہی صحیح کی توفیق عطا کرنے ولا ہے، میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ قاری جب اس رمز پہ پہنچے تو (حا) (یعنی مفرد مقصورہ کی طرح) پڑھ کر گزرے گا، یہ تمام صورتوں میں سب سے احوط اور مناسب ہے، حقیقی علم تو اللہ تعالی ہی کے پاس ہے۔(56)

علامہ تبریزی نے ابن الصلاح کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ صرف حا کہنے سے اس کا معنی متحقق نہیں ہوتا، لہذا ہم نے جو ذکر کیا ہے اس کی بنسبت سب صورتوں میں اسی کا مناسب ہونا ممکن نہیں، ابن الصلاح کی مراد یہ ہے کہ قاری حا پڑھتے ہوئے اس پر سے گذر جائے، وہاں رک کر اس کا معنی تلاش نہ کرے۔(57)

تنبیہ: قاری کو معلوم ہونا چاہیے کہ رمز (ح) کے مابعد ایک جدید سند ہے، لہذا دوران قراءت اس کو ویسے ہی پڑھے گا جیسا کہ ابتدا میں نئی سند پڑھی جاتی ہے، چناں چہ (ح) کے بعد ''قال: وحدثنا'' کہے گا، یعنی پہلے ''قال'' کہے گا پھر سند پڑھے گا، ہمارے شیوخ حدیث نے ہمیں اسی طرح پڑھایا ہے، اس کو پیش نظر رکھا جائے، واللہ اعلم۔

مذہبِ ثانی: دوسرا مذہب یہ کہ جب قاری دوران قراءت اس رمز تک پہنچے تو جس لفظ سے اس رمز کا اختصار کیا گیا ہے اس اصل لفظ کی صراحت کرے گا، اس بارے میں محدثین کے چار قول ہیں:

پہلا قول: بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب اس رمز (ح) تک پہنچے گا تو اس کی اصل یعنی (الحدیث) کی صراحت

کرے گا، یہ اہل مغرب کا قول ہے۔ابن الصلاح نے کہا میں نے اہل مغرب کے کچھ اہل علم سے اس بارے میں گفتگو کی اور ان سے بعض محدثین کا یہ قول بیان کیا کہ یہ حا مہملہ ہے اور ہمارے قول (الحدیث) کی طرف اشارہ ہے، اس مغربی عالم نے مجھ سے کہا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی اختلاف وفرق نہیں کہ اسے حا مہملہ قرار دیا جائے اور قاری حدیث پڑھتے ہوئے اس جگہ پہنچ کر کلمہ (الحدیث) کہے۔(58)

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب قاری (ح) تک پہنچے گا تو (الحاجز) کہے گا۔حافظ شرف الدین دمیاطی نے فرمایا کہ میرے پاس اہل مغرب میں سے ایک حافظ نے حدیث پڑھی، جب بھی وہ کلمہ (ح) پہ پہنچتا تو وہ (ح) کو (حاجز) پڑھتا تھا۔(59)

تیسرا قول: تیسرا قول یہ ہے کہ بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب قاری (ح) تک پہنچے گا تو (تحویل) کہے گا۔علامہ قاسمی کہتے ہیں ہمارے مشائخ میں سے ایک صاحب سند شیخ دوران قراءت رمز (ح) تک پہنچتے تو (تحویل) کہا کرتے تھے اور میں اسے مستحسن سمجھتا تھا۔(60)

چوتھا قول: چوتھا قول یہ ہے کہ بعض محدثین کہتے ہیں کہ جب قاری اس رمز تک پہنچے گا تو (خاء) کہے گا، یہ اس قول پر مبنی ہے کہ یہ رمز دراصل خاء معجمہ بمعنی دوسری سند یا خبر ہے۔حافظ شرف الدین دمیاطی نے فرمایا کہ بعض محدثین اسے خا منقوطہ کے ساتھ استعمال کرتے ہیں اور اس سے (أخبر)(61) اور (خبر) مراد لیتے ہیں۔(62)

مذہبِ ثالث: تیسرا مذہب یہ کہ حافظ عبدالقادر رُہاوی نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ اس رمز کو نہیں پڑھا جائے گا، دوران قراءت اس پہ جب پہنچیں گے تو کسی چیز کا تلفظ نہیں کیا جائے گا۔علامہ سخاوی نے کہا کہ کثیر الاسفار حافظ ابو محمد عبدالقادر بن عبداللہ رُہاوی (63) حنبلی کی رائے یہ ہے جیسا کہ ابن صلاح نے ان سے سنا کہ اس رمز کو نہیں پڑھا جائے گا اور دوران قراءت جب اس پہ پہنچیں گے تو کسی چیز کا تلفظ نہیں کیا جائے گا، یہ لفظ روایت کا حصہ نہیں، بلکہ یہ وہ حرف حا ہے جو دو سندوں کے درمیان حائل ہوتا ہے، اور انہوں نے اپنے مشائخ سے اس کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں سنا، ان کے مشائخ میں متعدد اپنے زمانہ کے حافظ الحدیث تھے۔(64)

کتب ستہ میں رمز (ح) کی کمیت ومقدار: کتبِ ستہ کے مصنفین میں سے بعض نے اس رمز کو بکثرت استعمال کیا ہے اور بعض نے کم استعمال کیا ہے، اس رمز کا سب سے زیادہ تکرار کتبِ ستہ میں سے جس کتاب میں ہوا ہے وہ صحیح مسلم ہے۔امام نووی نے فرمایا کہ یہ حا (ح) متاخرین کی کتابوں میں بکثرت پائی جاتی ہے، صحیح مسلم میں بکثرت آئی ہے جب کہ اور صحیح بخاری میں اس کا وجود قلیل ہے۔(65) حقیقت وہی ہے جو امام نووی نے بیان فرمائی ہے، یہ (ح) صحیح مسلم میں تیرہ سو (1300) سو سے زائد اسانید میں لائی گئی ہے، جب کہ صحیح بخاری میں اس کا اتنا تکرار نہیں

،صرف انسٹھ(59)اسانید میں مذکور ہوئی ہے۔کتب ستہ میں سب سے زیادہ صحیح مسلم میں اس رمز کا تکرار ہوا ہے، اس کے بعد سنن ابی داود میں تکرار ہوا ہے، اس کی تین سو پانچ (305)احادیث کی سند میں مکرر ہے، اس کے بعد سنن ابن ماجہ میں تکرار ہوا ہے، اس کی تقریبا دوسو(200)اسانید میں لایا گیا ہے، اس کے بعد نسائی کی ''السنن الصغریٰ'' میں تقریبا ایک سو چون (154)اسانید میں اس رمز کا تکرار ہے، سب سے کم سنن ترمذی میں تکرار ہوا ہے، اس کی صرف پچیس(25)اسانید میں مکرر آیا ہے، واللہ اعلم۔

تلاش وتتبع کے مطابق ایک ہی حدیث کی سند میں زیادہ سے زیادہ نو(9)مرتبہ رمز(ح) کا تکرار ہوا ہے اور وہ صحیح مسلم میں ہے،(66) ملاحظہ فرمائیں: قال الإمام مسلم: حدثنا قتيبة بن سعيد وابن رمح، عن الليث بن سعد، (ح) وحدثنا زهير بن حرب وابن المثنى، قالا: حدثنا يحيى وهو القطان، (ح) وحدثنا ابن نمير، حدثنا أبي، (ح) وحدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، حدثنا علي بن مسهر، كلهم عن عبيد الله، (ح) وحدثني زهير بن حرب، حدثنا إسماعيل يعني ابن علية، (ح) وحدثنا أبو الربيع، وأبو كامل، قالا: حدثنا حماد، (ح) وحدثني محمد بن رافع، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا سفيان، عن أيوب السختياني وأيوب بن موسى وإسماعيل بن أمية، (ح) وحدثني عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، أخبرنا أبو نعيم، حدثنا سفيان، عن أيوب وإسماعيل ابن أمية وعبيد الله وموسى ابن عقبة، (ح) وحدثنا محمد بن رافع، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا ابن جريج، أخبرني إسماعيل بن أمية، (ح) وحدثني أبو الطاهر، أخبرنا ابن وهب، عن حنظلة بن أبي سفيان الجمحي وعبيد الله بن عمر ومالك بن أنس وأسامة بن زيد الليثي، كلهم عن نافع، عن ابن عمر، عن النبي -صلى الله عليه وسلم- بمثل حديث يحيى عن مالك غير أن بعضهم قال: (قيمته)، وبعضهم قال: (ثمنه ثلاثة دراهم).

فائدہ: اسی طرح ایک ہی کتاب کی سند میں زیادہ سے زیادہ رمز(ح) کا چوہتر(74)مرتبہ تکرار ہوا ہے، وہ کتاب شیخ یاسین فادانی کی{{الدر النثیر فی الاتصال بثبت الامیر}} میں ہے۔(67)

خاتمہ ونتائجِ بحث: اس بحث کے اتمام پر درج ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

1 اس بحث سے محدثین کی باریک بینی سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اصل مقصود میں خلل پیدا کیے بغیر ایسی مصطلحات اور مناسب رموز کو اختیار کیا جو اختصار اسانید کے حوالہ سے مساعد ثابت ہوئیں۔

2 جب حدیث کی دو سندیں ہوں، یا دو سے زیادہ اسانید ہوں اور انہیں ایک ہی سیاق میں متن کے ساتھ جمع کیا گیا ہو تو ایک سند سے دوسری کی طرف منتقل ہونے پر دلالت کے لیے جس مشہور رمز پر جمہور متقدمین ومتاخرین محدثین نے اتفاق کیا ہے وہ رمز''ح'' ہے۔

3 یہ رمز ایک قدیم اصطلاح ہے جسے محدثین نے دوسری صدی ہجری سے اختیار کیا یہاں تک کہ حدیث کی تمام کتابیں مدون ہوئیں، لیکن متقدمین سے اس کی کوئی تفسیر وارد نہیں ہوئی، اسی وجہ سے اس کے معنی اور ماخذ کے بارے میں شدید اختلاف واقع ہوا، سب سے پہلے اس کی تفسیر کے بارے میں حافظ ابوعمرو ابن الصلاح (المتوفی: 643ھ) نے اپنی عظیم کتاب "علوم الحدیث" میں گفتگو فرمائی۔

4 اکثر محدثین کے نزدیک قول مختار یہ ہے کہ اس رمز کو جیسا لکھا جاتا ہے قاری ویسا ہی پڑھے گا، یعنی (حا) اکیلا حامہملہ مقصورہ کی طرح پڑھ کر اپنی قراءت کو جاری رکھے گا۔

4 کتب ستہ کے مصنفین میں سب سے زیادہ اس رمز کو امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ نے استعمال کیا ہے، اس وجہ سے کہ امام مسلم نے فنون واصطلاحاتِ حدیث، خاص طور پر اسانید حدیث سے متعلق شدید تحری اور خوب اہتمام فرمایا ہے۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

حواشی

44 الصحیح للإمام البخاري، کتاب الإیمان، باب تحریم ضرب الخدود وشق الجیوب والدعاء بدعوی الجاهلية: 1/99، الرقم: 103.

45 الصحیح للإمام البخاري، أبواب سترة المصلي، باب یرد المصلي من مر بین یدیه: 1/191، الحدیث رقم: 509.

46 الصحیح للإمام البخاري، کتاب الأحکام،، باب إذا قضی الحاکم بجور، أو خلاف أهل العلم فهو رد: 6/2628، الحدیث رقم: 7189.

47 سند عالی: اصطلاح حدیث میں اس سند کو کہا جاتا ہے جس کے رجالِ سند بنسبت دوسری سند کے رجال سے کم ہوں جس سے وہی حدیث وارد ہوئی ہو اور اس دوسری سند کے رجال پہلی والی سے زیادہ ہوں اور پہلی کے کم ہوں، کم رجال والی سند کو عالی اور زیادہ والی کو نازل کہتے ہیں۔ دیکھیے: معجم علوم الحدیث النبوي، ص: 157. موسوعة علوم الحدیث وفنونه: 1/253.

48 سندِ نازل: اس سند کو کہا جاتا ہے جس کے رجالِ سند بنسبت دوسری سند کے رجال سے زیادہ ہوں جس سے وہی حدیث وارد ہوئی ہو اس دوسری سند کے رجال پہلی والی سے کم ہوں، زیادہ رجال والی سند کو نازل اور کم رجال والی کو عالی کہتے ہیں۔ دیکھیے: معجم علوم الحدیث النبوي، ص: 157. موسوعة علوم الحدیث وفنونه: 1/267.

49 الجامع الصحیح للإمام البخاري: 1/21، حدیث رقم: 59.

50 الجامع الصحيح للإمام البخاري:1/ 57، حدیث رقم:240.

51 الجامع الصحیح:2/ 746، حدیث رقم:145۔(1066).

52 الجامع الصحیح:1/ 140، حدیث رقم:690.

53 فتح المغیث:3/ 379،380.

54 دیکھیے: المنهاج شرح صحيح مسلم: 38/1۔ المقنع: 364/1. تدريب الراوی، ص: 377، 378. توضيح الأفكار: 221/2. المعيد في أدب المفيد والمستفيد، ص: 264. فتح الباقي: 62/2. توجيه النظر إلى أصول الأثر: 718/2. قواعد التحديث، ص: 217۔

55 فتح المغيث: 89/3۔90۔

56 علوم الحديث، ص: 204. المقنع: 364/1.

57 الكافي في علوم الحديث، ص: 567.

58 علوم الحديث، ص: 204۔ دیکھیے: اختصار علوم الحديث (مع الباحث الحثيث): 393/2. رسوم التحديث، ص: 123. المقنع: 364/1. شرح التبصرة والتذكرة، ص: 498. التقييد والايضاح، ص: 218. الغاية شرح الهداية في علم الرواية: 140/1. فتح المغيث: 90/3. المعيد في أدب المفيد والمستفيد، ص: 264.

59 النكت على مقدمة ابن الصلاح: 595/3۔ فتح المغيث: 90/3. إسعاف ذوي الوطر: 42/2.

60 قواعد التحديث، ص: 209.

61 یوں لگتا ہے کہ یہاں کلمہ (اخر) میں تصحیف ہوئی ہے، سیاق کلام میں اس کو کوئی معنی نہیں بنتا، درست کلمہ (آخر) ہے، جیسا کہ پہلے گذرا ہے۔ واللہ اعلم، دیکھیے: فتح المغیث:3/ 90.

62 النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح:3/ 595.

63 رُہاوی اکثر کے نزدیک را کے ضمہ کے ساتھ یہ ''الرُہا'' کی طرف نسبت ہے۔

64 فتح المغيث: 90/3 اور علوم الحديث، ص: 204. المعيد في أدب المفيد والمستفيد، ص: 264.

65 المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج: 38/1، فتح المغيث: 89/3.

66 كتاب الحدود، باب حد السرقة، نصابها: 1313/3، 1314، الحديث رقم: 1686.

67 دیکھیے: رموز محدثین کا انسائیکلو پیڈیا، ص:110۔

مقالات ومضامین

ارض الرباط (شام وفلسطین) احادیث کی روشنی میں

مولانا فیصل احمد ندوی

مسجد اقصیٰ کے تقدس اور عظمت سے ہر دین پسند مسلمان واقف ہے، اور اس کی وجہ سے فلسطین اور بیت المقدس کے الفاظ اس کے کان میں اس کثرت سے پڑتے ہیں کہ ان میں کوئی اجنبیت اور بے گانگی محسوس نہیں ہوتی، اور اب طوفان اقصیٰ کے بعد غزہ بھی ان میں شامل ہوگیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فلسطین ایک مبارک بقعہ زمین ہے۔ شام کا یہ علاقہ سینکڑوں انبیاء کا مولد اور مدفن ہے، وہیں ان کی زندگیاں گزریں، وہیں وہ اپنا نبوی مشن لے کر اٹھے، وہیں ان کی دعوت کو فروغ حاصل ہوا، اور حق کے علم بردار پے بہ پے یہاں ظاہر ہوتے رہے، اس لیے اللہ نے اس پورے علاقے کو قرآن کریم میں متعدد بار مبارک قرار دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس علاقے کی سیر کرائی گئی اور وہیں ارواح انبیاء سے آپ کی ملاقات ہوئی اور وہیں سے آسمانوں پر آپ کو لے جایا گیا۔ اس علاقے میں برکت کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ قیامت تک اس علاقے میں کچھ اہل حق کی موجودگی اور حق کی خاطر آخری قربانی کی خوش خبری دی گئی ہے، متعدد حدیثوں میں یہ بات فرمائی گئی ہے۔ ہم یہاں چند حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں:

جہاد کو ذروة سنام الإسلام کہا گیا ہے۔ (دیکھیے: ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة. رقم ۲۶۱۶)

یعنی جہاد اسلام کی سب سے بلند چوٹی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی رفعت جہاد سے مربوط ہے، اور بالفاظ دیگر مسلمانوں کی ذلت ورُسوائی اور جگ ہنسائی کا ایک سب سے بڑا سبب ترکِ جہاد ہے۔ اس کی حدیث میں صراحت بھی آئی ہے۔ دیکھیے: ابوداود کتاب البيوع، باب في النهي عن العينة رقم ۳۴۶۲)

اور ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے: ما ترك قوم الجهاد إلا عمهم الله بالعذاب (رواه الطبراني في المعجم الاوسط ۱۵/۳رقم ۳۸۳۹ طبع دار الكتب العلمية)

یعنی جو لوگ جہاد چھوڑتے ہیں اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ آج مسلمانوں کی دین سے عمومی غفلت، اسلام کے مکمل دستور حیات اور بے ضرر نظام زندگی ہونے کے باوجود مسلمانوں کی اس سے بے اعتنائی، غیروں کی تقلید میں تنافس اور یورپ کی غلامی پر فخر کیا عذاب الٰہی کی مختلف شکلیں نہیں ہیں! لیکن یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں متعدد حدیثیں وارد ہوئی ہیں، ان کے ذکر سے بات بہت طویل ہوجائے گی۔ ان سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم اصل موضوع پر آتے ہیں، اور ان

احادیث کا ذکر کرتے ہیں، جن میں آخری زمانے کے مرکز جہاد کی نشان دہی کی گئی ہے:

(۱)عن معاوية يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لا يزال من أمتي أمة قائمة بأمر الله لا يضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتى يأتيهم أمر الله وهم على ذلك (بخاری رقم ٣٦٤١ ومسلم رقم ۴۹۵۵)

یعنی میری امت میں ایک جماعت اللہ کے حکم سے (جہاد) پر قائم رہے گی، ان کی مدد نہ کرنے والے یا ان کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ اسی پر قائم رہیں گے۔ دشمنوں کے سامنے نہیں جھکیں گے۔

بخاری کی روایت کے اخیر میں ہے: حضرت معاویہ سے روایت کرنے والے عمیر بن ھانی حضرت معاذ بن جبل کے بہت قریبی شاگرد مالک بن یخامر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت معاذ نے فرمایا کہ یہ لوگ شام میں ہوں گے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ خطبہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ سے انصاری یعنی حضرت زید بن ارقم نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا اور غالب رہے گا یعنی اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اور مجھے امید ہے کہ اے اہل شام وہ تم ہو گے۔ (دیکھیے مسند احمد ۴/۳۶۹)

شام ایک وسیع علاقے کا نام ہے جو اس وقت اسرائیل کی ناجائز ریاست سمیت پانچ ملکوں پر مشتمل ہے:

(۱) سوریا؛ جس کا پایہ تخت دمشق ہے (اور یہ پہلے پورے شام کا پایہ تخت تھا)

(۲) اردن؛ اس کا پایہ تخت عمان ہے

(۳) لبنان؛ اس کا پایہ تخت بیروت ہے

(۴) فلسطین؛ اس کا پایہ تخت بیت المقدس ہے۔ (اس کو قدس بھی کہا جاتا ہے)

احادیث صحیحہ کے مطابق آخری زمانے میں یہ علاقہ فتنوں کی آماج گاہ ہوگا، اور ساتھ ساتھ اہل ایمان کا ملجا و ماویٰ اور جہاد کا مرکز بھی ہوگا، دجال سب سے زیادہ وہیں سر اٹھائے گا، وہیں مارا جائے گا، زبردست جنگیں وہاں پیش آئیں گی جن میں آخرش مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی، اور امام مہدی ان کے قائد ہوں گے، اور حضرت عیسیؑ کا نزول بھی وہیں ہوگا! اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اس وقت مضبوط ایمان والوں کی موجودگی کی بھی خوش خبری دی ہے، اور ظاہر ہے کہ جہاد پر قائم رہنے اور دشمنوں کے آگے سرنگوں نہ ہونے کے لیے سب سے زیادہ اسی کی ضرورت ہوتی ہے؛ چنانچہ حضرت ابوالدرداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

الا وان الإيمان حين تقع الفتن بالشام" (مسند احمد ۱۹۹/۵) یعنی سنو جہاں شام میں فتنے ہوں گے وہاں

ایمان کی جڑیں مضبوط ہوں گی۔اوریہی روایت حضرت عبداللہ بن عمرو سے بھی مروی ہے،اسکے الفاظ یہ ہیں:

ألا وإن الإيمان إذا وقعت الفتن بالشام". (المستدرك على الصحيحين ٣/٥٥٥ رقم ٨٥٥٤، طبع دار الكتب العلمية) امام نسائی نے حضرت سلمہ بن نفیل کندی کی ایک حدیث نقل کی ہے،جس کی تفصیل طوالت چاہتی ہے،اس کے اخیر میں ہے:وعقر دار المؤمنين الشام یعنی اس وقت اہل ایمان کا اصل مرکز شام ہوگا۔(نسائی کتاب الخیل والسبق والرمی،رقم ۳۵۶۱)

اسی وجہ سے ایک موقع پر حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری نے حالات کے بگڑ جانے کے پس منظر میں جب سوال کیا کہ ہم کہاں ہجرت کر جائیں؟تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔ترمذی،کتاب الفتن،باب ما جاء فی الشام،رقم ۲۱۹۲)

اسی کو کبھی اس طرح فرمایا: إذا فسد أهل الشام فلا خير فيكم (ایضا) یعنی اہل شام بگڑ جائیں تو پھر سمجھو کہ خیر تم میں باقی نہیں ہے۔اور مسلمانوں میں خیر کا باقی ہونا نصوص سے معلوم ہوتا ہے،تو یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ شام میں ایک تعداد ہمیشہ حق پر قائم رہے گی،اوراس کے بعد حضور ﷺ نے وہ مشہور حدیث بیان فرمائی:

لا تزال طائفة من أمتي منصورين، لا يضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانے میں شام کا یہ جہاد برحق ہوگا اور کوئی طاقت ان مجاہدین کا زور نہیں ختم کر سکے گی؟اور حضرت جابر نے بھی یہ مشہور حدیث لا تزال طائفة من أمتي الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔اس کے اخیر میں حضرت عیسی علیہ السلام کے وہاں نزول کا ذکر ہے۔(مسند احمد ۳/ ۳۸۴) یعنی ایک جماعت جہاد پر مستقل قائم رہے گی اور پھر حضرت عیسی علیہ السلام کا ان میں نزول ہوگا۔

اور یہ بات متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول شام میں ہوگا۔شام کے عمومی تذکرے کے علاوہ اس کے مختلف علاقوں اورشہروں کے نام خصوصیت کے ساتھ اس ضمن میں بتایا گیا ہے:

حضرت عوف ابن مالک اشجعی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ذرا طویل حدیث نقل کی ہے،جس میں قیامت کی چھ علامتوں کا بیان کیا گیا ہے،جس کے اخیر میں مسلمانوں اوررومیوں (یورپین قوموں) کے درمیان زبردست جنگ کی خبر دی گئی ہے،جس میں رومیوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہوگی،اس کے اخیر میں ہے کہ اس وقت مسلمانوں کا مرکز اوران کی پناہ گاہ الغوطہ ہوگا جو دمشق میں ہے۔(مسند احمد۔٦ / ٢٥) نیز حضرت ابوالدرداء نے بھی اس آخری بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے دیکھیے ابو داود کتاب السلام باب في المعقل من الملاحم،رقم ۴۲۹۸) غوطہ دمشق کا ایک نہایت پرفضا مقام ہے،جس کی ہریالی اور شادابی بہت معروف ہے۔

اس سلسلے میں اور چند صریح حدیثیں ملاحظہ ہوں:

عن أبي أمامة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: " لا تزال طائفة من أمتي علی الدين ظاهرين لعدوهم قاهرين، لا يضرهم من خالفهم إلا ما أصابهم من الأواء، حتی يأتيهم أمر الله وهم كذلك " قالوا: يا رسول الله، وأين هم؟ قال: " ببيت المقدس، وأكناف بيت المقدس " (مسند احمد ۲۶۹/۵)

یعنی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ دین پر قائم رہے گا، وہ اپنے دشمن پر قابو پائیں گے یعنی دشمن ان کے سامنے جھکے گا، ان کے مخالفین ان کا نقصان نہیں کر سکیں گے مگر ہاں کچھ سختیوں اور معاشی تنگیوں سے انھیں گزرنا پڑے گا ان کی یہی حالت رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے گا۔ (یعنی قیامت سے پہلے آخری فیصلہ کن معرکہ ہوگا جس میں مسلمان کھلے طور پر غالب آئیں گے لوگوں نے سوال کیا۔ لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا: بیت المقدس میں اور اسکے اطراف میں ہوں گے۔

و عن أبي هريرة عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على أبواب دمشق وما حوله، وعلى أبواب بيت المقدس وما حوله، لا يضرهم خذلان من خذلهم، ظاهرين إلى أن تقوم الساعة (المعجم الأوسط للطبراني ۲۴/۱ رقم ۴۷)

یعنی میری امت کی ایک جماعت دمشق و اطراف اور بیت المقدس و اطراف میں دشمنوں سے لڑے گی، کسی کا ان کی مدد نہ کرنا انہیں نقصان نہیں پہنچائے گا وہ غالب رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یخرج من خراسان رایات سود، لا یردھا شیئی حتی تنصب بایلیاء (ترمذی کتاب الفتن: رقم ۲۲۳۹)

یعنی خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے کوئی طاقت ان کو نہیں روک سکے گی، یہاں تک کہ وہ ایلیاء، یعنی بیت المقدس میں نصب کیے جائیں گے۔ اس لیے کہ وہی اس وقت مسلمانوں کا مرکز جہاد ہوگا۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث روایت کی ہے، جس کی سند صحیح ہے، ابن عباس فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أول هذا الأمر نبوة ورحمة، ثم يكون خلافة ورحمة، ثم يكون ملكا ورحمة، ثم يكون إمارة ورحمة، ثم يتكادمون عليه تكادم الحمر فعليكم بالجهاد، وإن أفضل جهادكم الرباط، وإن أفضل رباطكم عسقلان (معجم الکبیر للطبرانی اور ۷۳، رقم ۱۱۱۳۸)

یعنی اس دین ملت کی ابتدا نبوت و رحمت سے ہوئی، پھر خلافت اور رحمت ہوگئی، پھر بادشاہت اور رحمت، پھر

امارت اور رحمت ہوئی، پھر ایک دوسرے کو کاٹیں گے جیسے گدھے ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں۔ جب یہ صورت حال پیش آجائے گی تو تم جہاد کو لازم پکڑلو، اور تمھارا بہترین جہاد رباط ہے اور بہتر رباط عسقلان کی سرزمین ہے۔

رباط دشمن کے مقابلے میں جم جانے اور سامان جہادی کی تیاری کے ساتھ سرحد پر قائم رہنے کو کہتے ہیں، اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت عسقلان میں سب سے بہتر رباط ہوگا۔ اور عسقلان غزہ کے قریب مغربی ساحل پر فلسطین کا مشہور شہر ہے۔ عسقلان کے شہداء کے بارے میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں، مگر ان میں سے اکثر بہت ہی ضعیف بلکہ موضوع ہیں، اس لیے ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں۔ اوپر ہم نے تمہید کی حدیثوں کے علاوہ گیارہ بارہ حدیثیں ذکر کی ہیں، جو الگ الگ بارہ صحابہ سے مروی ہیں: حضرت معاویہ، حضرت زید بن ارقم، حضرت ابو درداء، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ حضرت ابوامامہ، حضرت عوف بن مالک اشجعی، حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری، حضرت قرۃ بن ایاس مزنی اور حضرت سلمہ بن نفیل کندی۔ ان احادیث پر غور کرنے سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(1) شام آخری زمانے میں مسلمانوں کا مرکز جہاد ہوگا، وہاں سچے پکے مسلمان اور حقیقی مجاہدین ہوں گے۔ ان میں بیت المقدس، غزہ اور عسقلان کو خصوصیت حاصل ہوگی۔

(2) ان مجاہدین کی شدید مخالفت ہوئی، مگر مخالفین کی مخالفت سے ان کو نقصان نہیں ہوگا، نہ ان مخالفین کی طاقت ان کا کچھ بگاڑ سکے گی۔

(3)۔ کچھ یعنی چند ممالک اور حکومتیں ایسے بھی ہوں گے جو اگرچہ ان کے مخالف نہیں ہوں گے مگر ان کی مدد اور انہیں کمک پہنچانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔

(4)۔ ان مجاہدین کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور زندگی گزارنے کے لیے دقتیں آئیں گی اور گزر بسر کے مسائل ہوں گے بھوک سے گزرنا پڑے گا مگر اس سب کے باوجود ان کی اصل طاقت محفوظ رہے گی۔

(5) اتنی کثرت سے اور اتنے متعدد صحابہ سے اس مضمون کا وارد ہونا اس بات کو بتاتا ہے کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجایش نہیں۔ ان باتوں کو دیکھیے اور غزہ کے موجودہ حالات پر غور کیجیے اور عالمی صورت حال کا جائزہ لیجیے تو ادنیٰ شبہ نہیں رہ جاتا کہ اس وقت غزہ میں جو جہاد ہو رہا ہے، یہ وہی جہاد ہے، یہ سرزمین ہی مرکز جہاد ہے، جس کی حدیث میں پیشین گوئی کی گئی ہے۔ جو صورت عالمی منظرنامے پر نظر آتی ہے، اور جو میدانی حقیقت ہے، وہ حدیث کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا: (باقی صفحہ نمبر: ۲۸)

مبارک ثانی کیس: وہی استدلال وہی فیصلہ!

محمد عرفان ندیم

مبارک ثانی کیس کا تفصیلی فیصلہ آچکا ہے۔دو ماہ قبل نظر ثانی سماعت کے وقت، کیس کے سیاق وسباق اور چند مخصوص کرداروں کے پیش نظر عرض کر دیا تھا کہ نظر ثانی فیصلے میں کسی مثبت تبدیلی کی توقع بہت کم ہے اور آج یہ خدشہ سچ ثابت ہوا۔ پہلے فیصلے کی طرح نظر ثانی فیصلے میں بھی خلط مبحث، غلط استدلال اور واضح حقائق کو نظر انداز کرنے کی روش اختیار کی گئی ہے۔افسوس یہ ہے کہ اس فیصلے کے کرداروں کو یہ اندازہ نہیں کہ قادیانی گروہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لیے اس فیصلے کو بطور متدل پیش کرتا رہے گا اور یہ"صدقہ جاریہ"فیصلہ سازوں کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔فیصلے میں کچھ بھی نیا نہیں۔نظر ثانی کیس میں جن بنیادی باتوں پر اعتراضات دائر کیے گئے تھے انہیں مخاطب بنانے اور ان پر بات کرنے کی بجائے آئیں بائیں شائیں کر کے ایک مبہم فیصلہ جاری کر دیا گیا ہے۔

مثلاً پوائنٹ نمبر 46 سے 48 تک پھر وہی غلط استدلال کہ رسول اللہ رحمۃ اللعالمین تھے۔قرآنی آیت"وانک لعلی خلق عظیم"اور"وما ارسلناک الا رحمۃ اللعالمین اور ادع الی سبیل ربک۔۔۔الخ وغیرہ۔ریویو پٹیشن میں مطالبہ یہ تھا کہ مبارک ثانی کیس میں قرآنی آیات کو غلط متدل کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔لیکن اس فیصلے میں پھر وہی پہیہ گھمایا گیا ہے اور قرآنی آیات کو غلط متدل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔جس ذات اقدس کے تحفظ کے بابت کیس تھا اسی ذات اقدس کے اقوال اور اس پر نازل ہونے والی کتاب سے استدلال پیش کیا گیا۔کیا اعلیٰ عدلیہ میں بیٹھے معزز ججز کو اس سطحی اور غیر معقول استدلال کا اندازہ ہے۔ذرا ان الفاظ اور استدلال پر غور کریں"آپ کی رحمت کا اظہار صرف اپنوں کے لیے ہی نہیں بلکہ دشمنوں کے لیے بھی، چڑیوں، جانوروں کے لیے بھی اور نباتات تک کے لیے تھا"اس استدلال پر ماتم کیا جائے یا جگر کو پیٹا جائے۔کیا معزز جج صاحبان کو یاد ہے کہ تاریخ میں کوئی جنگ یمامہ بھی ہوئی تھی؟

پوائنٹ نمبر 7 میں کہا گیا ہے کہ چونکہ مذکورہ ادارہ جہاں ایف آئی آر کے مطابق ممنوعہ کتاب تقسیم کی گئی احمدیوں کا نجی ادارہ تھا، اس لیے اس فعل پر مجموعہ تعزیرات کی دفعہ 298C کا اطلاق نہیں ہوتا۔یہ بات بھی سراسر غلط ہے۔جس ادارے میں یہ جرم سرزد ہوا وہ نصرت جہاں کالج فار ویمن ہے جو احمدیوں کا نجی ادارہ ہرگز نہیں بلکہ ایک پبلک اور مخلوط ادارہ (جہاں مسلمان اور قادیانی اکٹھے تعلیم حاصل کرتے ہیں) ہے۔آئین میں کسی خاص مذہب یا مسلک کو اپنے مخصوص مذہبی اداروں میں مذہبی تعلیم دینے کی جو اجازت دی گئی ہے وہ صرف مذہبی اداروں تک محدود ہے۔کسی مذہب

یا مسلک کے تحت قائم عصری تعلیمی اداروں میں یہ اجازت نہیں ہے۔ اس لیے یہاں جرم سرزد ہونے پر C 298 کا اطلاق ہوتا ہے اور معزز جج صاحبان اس واضح جرم کو نظر انداز کر رہے ہیں۔

پوائنٹ نمبر 48 میں لکھا ہے "رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اپنے مخالفین کے ساتھ بھی حسن سلوک کا رویہ رکھیں۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ اللہ کی رضا کس کام میں ہے اور کیا ان کے اعمال سے رسول اللہ خوش ہوں گے۔" معزز ججز سے سوال ہے کہ اس حسن سلوک کی یاددہانی کی ضرورت پاکستان میں بسنے والی دیگر اقلیتوں کے حوالے سے کیوں پیش نہیں آتی اور وہاں حسن سلوک کی یہ روایت ۷۷ سالوں سے بخوبی کیسے چلی آرہی ہے؟ اس لیے کہ امت کو ان سے کبھی کوئی مسئلہ پیش نہیں آیا، اس لیے حسن سلوک کی یاددہانیکی بجائے ان سرگرمیوں کو لگام دینے کا آرڈر جاری فرمائیں جو حسن سلوک کا درس دینے والی ذات کو متنازع بنانے کے درپے ہیں۔

فیصلے کی شق 'ڈ' میں کہا گیا ہے کہ قادیانیوں کو مذہبی آزادی کا حق جس کی آئین میں ضمانت دی گئی ہے وہ آئین میں لکھے ہوئے الفاظ "قانون، امن عامہ اور اخلاق کے تابع ہے"۔ آئین کے اس بنیادی اور اصولی نکتے کو تسلیم کر لینے کے بعد کیا معزز ججز سے سوال کیا جاسکتا ہے کہ کون سے قانون کے تحت قادیانیوں کو تحریف قرآن اور علی الاعلان اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہے؟ مجیب الرحمان اور ظہیر الدین کیس کی نظیروں سے بھی، مجموعی فیصلوں کے بجائے ان فیصلوں کے چند پہلوؤں کو سامنے رکھ کر نتائج اخذ کیے گئے اور انہیں حالیہ فیصلے پر منطبق کر دیا گیا ہے۔ پوائنٹ نمبر 42 جو اس فیصلے کا مرکزی پیراگراف ہے، اس میں لکھا گیا ہے: "آئینی و قانونی دفعات اور عدالتی نظائر کی اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ احمدیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دینے کے بعد انھیں آئین اور قانون کے مطابق اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے اور اس کے اظہار اور اس کی تبلیغ کا حق اس شرط کے ساتھ حاصل ہے کہ وہ عوامی سطح پر مسلمانوں کی دینی اصطلاحات استعمال نہیں کریں گے، نہ ہی عوامی سطح پر خود کو مسلمانوں کے طور پر پیش کریں گے۔ تاہم اپنے گھروں، عبادت گاہوں اور اپنے نجی مخصوص اداروں کے اندر انھیں قانون کے تحت مقررہ کردہ معقول قیود کے اندر "گھر کی خلوت" کا حق حاصل ہے۔" اس پیراگراف کے مطابق آئین پاکستان اور سپریم کورٹ اور شریعہ کورٹ کی عدالتی نظائر کے پیش نظر قادیانیوں کو "گھر کی خلوت" کا حق حاصل ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مبارک ثانی کیس میں جو جرم سرزد ہوا ہے وہ "گھر کی خلوت" یا "مخصوص مذہبی ادارے" میں نہیں بلکہ عصری ادارے میں ہوا ہے جس پر آئین اور سپریم کورٹ و شریعہ کورٹ کے فیصلوں میں دی گئی مذہبی آزادی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ قصہ مختصر! ریویو پٹیشن میں اٹھائے گئے بنیادی اعتراضات اور اس میں مختلف مذہبی اداروں کی طرف سے پیش کیے جانے والے مؤقف اور استدلال کو درخور اعتنا نہیں جانا گیا اور وہی دماغ اور وہی استدلال جو پہلے کارفرما تھے انہی کو دہرا کر فیصلہ جاری کر دیا گیا ہے۔

مقالات ومضامین

مخلوط تعلیمی نظام کے مضر اثرات.......ایک لمحہ فکریہ!

مولانا محمد صادق مظاہری

مخلوط تعلیمی نظام کیا برگ وبار لا رہا ہے؟......اہل نظر سے مخفی نہیں۔کبھی ہم مخلوط تعلیمی نظام کے متعلق مغربی درس گاہوں کی مثالیں پڑھتے اور سنتے تھے،لیکن اب وطن عزیز کے مخلوط تعلیمی اداروں میں رُونما ہونے والے ہوشربا واقعات ان نتائج کی تصدیق کر رہے ہیں۔اسلام آباد کی قائداعظم یونیورسٹی ہو،بہاولپور یونیورسٹی ہو یا اوکاڑہ یونیورسٹی...... محسوس ہوتا ہے کہ یہ عصری تعلیمی ادارے جنسی درندوں کی آماج گاہ بن چکے ہیں۔ہمارے عصری تعلیمی اداروں میں ناچ گانا،راگ رنگ ،فحاشی وعریانی کو باقاعدہ منصوبہ بند طریقے سے پروموٹ کیا جانے لگا ہے۔ایسے ہوشربا واقعات تواتر سے سامنے آرہے ہیں کہ انسان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔لگتا ہے یہ تعلیمی ادارے نہیں رہے بلکہ جنسی بھیڑیوں کے جنگل بن چکے ہیں۔ہمارا معاشرہ تباہی دہانے پہ کھڑا ہے؛اور اس تباہی کی بنیاد لارڈ میکالے کا مخلوط نظام تعلیم ہے۔زیر نظر مضمون میں مغربی تعلیم گاہوں کے مشاہدات وواقعات کے اعداد وشمار کی روشنی میں مخلوط تعلیم کی تباہ کاریوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔قابل فکر بات یہ ہے کہ کل جو تباہی مغربی تعلیم گاہوں میں مچی آج ہماری درس گاہوں میں اپنی تمام تر ہوشربائیوں کے ساتھ داخل ہو چکی ہے۔

مخلوط تعلیمی نظام مغربیت کی دین ہے دنیا میں سب سے پہلے Co education یعنی مخلوط تعلیم کا لفظ 1774ء میں استعمال ہوا اور اس تعلیمی نظام کو سب سے پہلے امریکہ نے اپنایا اس کے بعد بیسوی صدی عیسوی کے آغاز میں اسکاٹ لینڈ میں اس پر عمل کیا گیا اور پھر پورے یوروپ میں اسی پر عمل کیا جانے لگا اور اس وقت یہ یوروپ وامریکہ، ایشیا کے کئ ایک مما لک سمیت بعض عرب مما لک تک بھی جا پہنچا ہے اس نظام نے معاشرے میں بہت سی برائیاں اورخرابیاں پیدا کی ہیں جن میں بے حیائ وبے شرمی تو ہے ہی لیکن ساتھ ساتھ عورت کی عزت وعصمت کا جنازہ نکال دیا ہے اور خود اس کے ذہن میں مختلف حیلوں، بہانوں سے یہ تصور بٹھا دیا گیا ہے کہ عورت کی عزت وعظمت نام کی چیز صرف خیالاتی دنیا کی دین ہے جب کہ اس کا تعلق عورت کے ان تمام حقوق سے ہے جو کہ اس کو معاشرہ دیتا ہے اس لیے کہ جب عورت کی عزت وناموس محفوظ نہیں رہے گی تو پھر پوری انسانی دنیا پر زد آتی ہے، ساتھ میں خاندانی نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ماں، بہن، بیٹی، بیوی سب کے حقوق کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔اس کا اگر کسی کو مشاہدہ کرنا ہو تو مغربی مما لک میں بہ آسانی ہو سکتا ہے ان کے یہاں خاندانی نظام تہس نہس ہو چکا ہے اور عورت عزت واہمیت کے لیے ترستی ہے، کوئی بھی درندہ صفت انسان آتا ہے اور اس کو محبت بھرے افسانوں کے جال میں پھنساتا

ہے، اس کے جسم وجان سے کھیلتا ہے، دل بھر جانے کے بعد کسی دوسری خاتون کو پھنسا لیتا ہے، ان کے جنسی تعلقات بنانے کے نتیجے میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان میں بہت کو ماں اور بہت سوں کو باپ کا پیار نصیب نہیں ہوتا ہے، اس لیے وہ ماں باپ کے حقوق سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں۔

یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ عورت کو اللہ نے ایک ایسی چیز بنایا ہے کہ مرد اس کی طرف قدرتی طور پر مائل ہوتا ہے اور ماہرین نفسیات کے مطابق جب بچہ بالغ ہوتا ہے تو ہارمونز تبدیل ہوتے ہیں اس کے نتیجے میں نفسانی خواہشات بڑھتی جاتی ہے جس کی وجہ سے مرد عورت کے ساتھ اور عورت مرد کے ساتھ اختلاط، گفتگو، ملاقات کو اچھا سمجھتا ہے یہ سب دکھاوے کے لیے ہوتا ہے ورنہ مقصد دراصل نفسانی خواہشات کو پورا کرنا ہوتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں آپ کو ان مجلسوں ومحفلوں میں دیکھنے کو مل جائیں گی جہاں پر مرد وزن کا اختلاط ہوتا ہے، پہلے بات چیت، پھر تعلق میں اضافہ اس کے بعد فرینڈ شپ پھر گرل فرینڈ، بوائے فرینڈ کا رشتہ اور ان سب کا خلاصہ سیکس نکلتا ہے۔

معروف فقیہ وادیب، مؤرخ وماہر نفسیات ابن حزم ظاہری اندلسی المتوفی 456ھ نے اپنی کتاب" طوق الحمامه فی الأُلفة والأُلاف " میں لکھا ہے کہ مرد وزن کی مخلوط مجالس میں پیدا ہونے والے عوارض اسلامی زندگی کے لیے اجنبی ہیں، کیونکہ یہ مرد وزن میں ایسے رویے اور ایسی نفسیاتی کیفیت پیدا کرتے ہیں جو پسندیدہ نہیں ہوتیں ۔۔۔لبرل طبقہ شاید اس کو سطحی سوچ پر مبنی کہہ کر رد کر دے لیکن جدید سائنسی تحقیق بھی اس تصور کی معاونت نہیں کرتی اسی لیے ایک امریکن مصنف جارج گلڈر اپنی کتاب Men and Marriage میں لکھتا ہے کہ مخلوط تعلیمی نظام میں پڑھنے والے لڑکے اور لڑکیاں قبل از وقت بلوغت تک پہنچ جاتے ہیں۔۔۔شیخ محمد ضیاء الرحمن اعظمی نے 2002ء میں اپنے ایک عربی مقالے"موجز تاریخ التعلیم المختلط ونتائجه "میں مخلوط تعلیمی نظام کے متعلق کچھ مغربی مصنفوں وادیبوں کے سروے وبیانات کو نقل کیا ہے جس میں انھوں نے اس کے نقصانات وخطرات سے آگاہ کیا ہے اور ایسے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے کہ انسانی آنکھیں مارے شرم کے جھکی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر ہوبارٹ ہرس کا کہنا ہے کہ وہ طالبات جو شادی سے پہلے زنا کا شکار ہو جاتی ہیں ان کی تعداد 80 فیصد پہنچ چکی ہے۔ وینسٹائن کہتا ہے کہ مخلوط اسکولوں میں زانیہ لڑکیوں کا تناسب جاہل لڑکیوں سے کہیں زیادہ ہے اور اس نے ورجینیا کے ایک اسکول کے سلسلے میں سروے کیا جس میں کہتا ہے کہ یہاں زانیہ طالبات کا تناسب 75-80 فیصد پہنچ چکا ہے۔ میشی گن یونیورسٹی کے طلبہ کا کہنا ہے کہ ہماری یونیورسٹی میں پاک دامن طالبات کا تناسب 20 فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ سراکوز یونیورسٹی کے بارے میں یہ سروے سامنے آیا کہ 6000 لڑکیوں میں سے 400 لڑکیاں زنا کی وجہ سے حاملہ ہیں اور ایک مخلوط تعلیمی ادارے کی تحقیق سامنے آئی ہے کہ 20.۲ فیصد لڑکیاں ہی مشہور طریقے

سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہتی ہیں اور 20 فیصد زنا کی وجہ سے پیدا ہونے والے بچوں کو اپنانا چاہتی ہیں اور ۶۰ فیصد کا خیال ہے کہ انہیں زنا میں کوئی حرج نہیں اور منع حمل کے تمام وسائل بھی استعمال میں لاتی ہیں (مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ ۔ شمارہ نمبر ۲ ۔ ۲۰۰۲ء) یہ حال ۲۰۰۲ء سے پہلے کا ہے، اس وقت کیا صورت حال ہوگی الامان والحفیظ!۔

جان میکلاسکی نامی عیسائی عالم لکھتا ہے کہ امریکہ کے پبلک ایجوکیشن سسٹم میں اوائل عمری ہی سے اخلاقی اقدار کی نفی اظہر من الشمس ہے جس وقت بچے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہے ہوتے ہیں تو وہ لڑکا لڑکی ساتھ بیٹھ کر تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں وہاں ایک دوسرے کو بری نظر سے تکنا اور اس کے بعد ناجائز رشتے بنا کر جنسی تعلقات تک پہنچنا آسان ہوتا ہے اسی لیے آج تقریبا نوے فیصد نئی نسل اس جرم میں مبتلا ہے اور اہل فکر و دانش سے یہ چھپا نہیں ہے کہ جوان دوشیزاؤں پر بہت سے ٹیچرز کی بھی بری نظر ہوتی ہے اور بہت سی لیڈیز ٹیچرز کی ان نوجوان لڑکوں پر جن کا دور شباب عروج پر ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایسی خبروں کا سلسلہ رک گیا ہے بلکہ آئے دن نیوز چینلز پر اس طرح کی خبریں آج بھی گردش کرتی ہیں اور بعض اتنی شرمناک ہوتی ہیں لگتا ہے کہ انسانیت روئے زمین سے ختم ہو چکی ہے۔

ویسے تو ہم وطن عزیز کے چھوٹے چھوٹے شہروں میں بھی یہ سنتے رہتے ہیں کہ بہت سی ٹیچرز خاتون نے اپنے نوجوان اسٹوڈنٹس اور بہت سے مرد ٹیچرز نے اپنی اسٹوڈنٹس کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کیے لیکن اب بڑے شہروں میں سننے میں آ رہا ہے کہ یہ مرض عام ہوتا جا رہا ہے اور اگر آپ ان ملکوں میں جائیں جنھوں نے اس نظام کو پروموٹ کیا ہے تو وہاں تو پورا نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ اسکولوں میں ایسی ٹیچرز رکھی جاتی ہیں جو بلا کی خوبصورت ہوں اور ان کی یونیفارم ایسی رکھی جاتی ہیں جس سے جسمانی بناوٹ کا مظاہرہ ہو رہا ہوتا کہ اس کو دیکھ کر بچے لذت حاصل کرتے رہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں ٹیچرس کا اپنے اسٹوڈنٹس کے ساتھ سیکس عام بات ہے اور اس کو برا خیال نہیں کیا جاتا۔ ایسی ایک رپورٹ امریکہ کی کئی روز قبل ڈیلی میل نے جاری کی ہے جس میں ہے کم عمر لڑکوں کے ساتھ ان کی ٹیچرس نے جنسی تعلقات بنائے اور ان کا جنسی استحصال کیا۔

رپورٹ کے مطابق گزشتہ بارہ ماہ میں سولہ ریاستوں سے پچیس کے قریب خواتین کو گرفتار کیا گیا جن پر اسٹوڈنٹس کے ساتھ زیادتی کا الزام عائد کیا گیا ڈیلی میل کے مطابق 2017ء سے 2022ء کے درمیان جنسی ہراسگی و بدفعلی کے باعث امریکی اسٹیٹ ایجوکیشن کی جانب سے 1895 ٹیچرز کے خلاف سخت ایکشن لیا گیا ہے جن میں کئی ایک خاتون ایسی بھی ہیں جن کو پولیس نے اپنے اسٹوڈنٹس کے ساتھ گاڑی میں برہنہ حالت میں پکڑا۔۔۔۔ غرضیکہ اس طرح کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں یہ سب معاشرے پر اسی مخلوط تعلیمی نظام کا گندا اثر ہے۔ اس پر اگر

سائیکولاجیکل یا سوشیولاجیکل پہلو سے غور کیا جائے تو بھی یہ عقل سے پرے کی بات ہے انسانی نفسیات (Human Psychology) کی جدید تحقیق کے مطابق لڑکے اور لڑکیاں نفسیاتی اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں ۔۔۔لڑکے اور لڑکیوں کی فزیکل ڈیولپمینٹ عمر کے الگ الگ ادوار میں مختلف ہوتی ہے اسی طرح ان کے ذہنی نشونما کا پیٹرن بھی جدا جدا ہوتا ہے اسی طرح ان کے Interests, Behavior, Social Attitudes میں اختلاف ہوتا ہے۔۔۔اگر اس طرح کی جدید نفسیات کی تحقیق پر اعتماد کریں تو لڑکے اور لڑکیوں کو ایک کلاس روم میں بٹھا کر ایک ہی طرح کا Educational Treatment دینا کسی ایک صنف کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔۔۔

اسی طرح سوشیولاجیکل بھی یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ سماجی طور پر لڑکوں ولڑکیوں کے رول مختلف ہیں، سوشل ریلیشنز مختلف ہیں، تعلیم سماج کی تربیت کرتی ہے جب کہ سماجی ضروریات، رویے اور نشونما کے تقاضے بھی الگ الگ ہیں تو ایک چھت تلے مخلوط تعلیم سماجی نشونما کے تقاضے کیسے پورے کرسکتی ہے؟ اور اگر تعلیمی پہلو سے دیکھا جائے تو بھی یہ نظام کامیاب ثابت نہ ہوگا اس لیے کہ بیالوجی، فزیالوجی، سائیکالوجی جیسے سبجیکٹ کو پڑھاتے ہوئے کئی مقامات ایسے آتے ہیں کہ ان کو مخلوط کلاس روم میں استاد کے لیے کھل کر بات کرنا ناممکن ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان سبجیکٹس کا حق ادا نہیں ہو پاتا ہے اور اسٹوڈنٹس کی طلب باقی رہ جاتی ہے اور اس کے علاوہ اسٹوڈنس کا مخلوط کلاس میں بیٹھنے کی وجہ سے جو ذہن اپنی مخالف صنف کی طرف لگا رہتا ہے اس سے تو حد سے زیادہ تعلیمی نقصان ہوتا ہے۔

بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ اس وقت مخلوط تعلیمی نظام میں تعلیم پانے والے اسٹوڈنٹس کی اسی فیصد ذہنی انرجی معاشقوں میں صرف ہو رہی ہے جس سے ان کی جوانی کا قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ہمارا ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر ہر صاحب علم وفضل، دانش ور وفکر مند انسان کو غور کرنا چاہیے کہ ہمیں کیسے اس نظام سے چھٹکارہ پانا ہے؟ اس لیے کہ تعلیم انسان سازی کا بنیادی آلہ ہے اگر وہی خراب ہو جائے اور اس کا طریقہ کار بے راہ روی کا شکار ہو جائے تو پھر وہ کیسے انسان سازی کا کارنامہ انجام دے سکتا ہے۔ مسئلہ اس وقت مزید گمبھیر ہو جاتا ہے جب کہ کچھ اپنوں ہی میں سے نام نہاد دانشور مغربیت سے متاثر نہ صرف اس نظام کی تائید کرتے ہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں باوجودیکہ اس کے نقصانات سب کے سامنے ہیں۔ خدا کرے اسلامی تعلیمات وہدایات کو مدنظر رکھ کر کوئی ایسا نظام منظر عام پر آئے کہ جو انسان اور انسانیت کے لیے مفید ثابت ہو اور جس سے تعلیم کا اصل مقصد حاصل ہو۔

مقالات ومضامین

پانی چوس کنووں کی اہمیت اور افادیت

عبدالمالک عباسی

'پانی' قدرت الٰہی کی مخلوقات میں سے ایک عظیم نعمت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی اولین مخلوقات میں سے ہے۔ یہ ایسی مخلوق ہے جو دیگر مخلوقات کی مبدا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے بھی پہلے پانی کو پیدا فرمادیا تھا، پانی اپنے وجود اور تخلیق میں زمین وآسمان سے مقدم ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (ہود:۷)

پانی ایسی نعمت ہے جس کا اظہار اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا فرمایا ہے، اور بنی نوع انسان کو سمجھایا ہے کہ پانی حیات انسانی کے لیے کتنی ناگزیر نعمت ہے؟، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء:۳۰)

''اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے پیدا کیا ہے۔''

ایک اور آیت سے پانی کی اہمیت واضح ہوتی ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (الفرقان:۵۴)

''اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا پھر اس کے نسبی اور سسرالی رشتے دار بنائے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا (الفاطر:۲۷)

''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے پھل نکالے جن کے رنگ مختلف ہیں۔''

یہ اور اس طرح کی دوسری آیات؛ اسی طرح احادیث میں پانی جیسی نعمت کی اہمیت، اس کے احکام واضح کیے گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پانی ایسی چیز ہے جس کے بغیر مخلوقات عالم کی حیات کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کیا انسان ، درند، چرند، پرند، نباتات و جمادات؛ سب کے لیے پانی لازمی عنصر ہے۔ پانی ایسی چیز ہے جس کے حصول کے لیے جنگیں برپا ہوجاتی ہیں۔ کچھ عرصے کے لیے بارشیں رک جائیں تو خشک سالی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ زندگی بے رنگ ہوجاتی ہے، ماضی میں کتنی ہی آبادیاں پانی کی نایابی کی وجہ سے نابود ہوئیں، لوگ پانی کی تلاش میں دربدر

ہوئے۔اس سے پانی کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔لیکن جب پانی دستیاب ہوتو اس کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے۔اس وقت کرہ ارضی موسمیاتی تبدیلیوں کا شکار ہے۔کرہ ارضی کی حرارت بڑھ رہی ہے، پانی کی طلب میں اضافہ ہورہا ہے، جبکہ بارشوں کی کمی وجہ سے پانی کے ذخیروں میں کمی ہورہی ہے۔پاکستان کا بیشتر علاقہ بھی ان تبدیلیوں سے متاثر ہورہا ہے۔موسمیاتی تبدیلیوں پر نگاہ رکھنے والوں کے ہاں سال 2025ءکو ایک ایسے سال کے طور دیکھا جارہا ہے جب پاکستان” پانی کے دباؤ“ والے ملکوں کی فہرست سے نکل کر” پانی کی شدید کمی کا شکار“ والے ملکوں کی فہرست میں سِلپ ہوجائے گا۔ 1960 کے بعد سے پاکستان کی آبادی میں پانچ گنا اضافہ ہونے اور اس وقت ملک میں صرف 30 دن کی ضرورت کا پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش کے ساتھ تقریباً 207 ملین پاکستانیوں کو پانی کی ”مطلق قلت“ کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔عالمی پیمانے کے مطابق کسی ملک میں اگر سالانہ ہر فرد کے لیے کم از کم 1000 کیوبک میٹر سے کم پانی موجود ہے تو وہ پانی کے دباؤ کا شکار ملک تصور کیا جائے گا۔آزادی کے وقت ہر پاکستانی کے لئے اوسطاً 5000 کیوبک میٹر سالانہ سے بھی زیادہ پانی موجود تھا۔ایک سروے کے مطابق 1000 کیوبک فٹ سالانہ والی کم ترین منزل سے ہم دس سال پہلے ہی نیچے آچکے ہیں اور 2025 تک پاکستان میں ہر فرد کے لیے سالانہ اوسطاً صرف 500 کیوبک میٹر تک پانی موجود ہوگا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جن علاقوں اور مقامات میں تواتر کے ساتھ پانی نکالا جاتا ہے وہاں زیر زمین پانی کی سطح تیزی سے نیچے جارہی ہے۔کراچی، لاہور، فیصل آباد، اور کئی دیگر بڑے شہروں میں پانی کی سطح خطرناک حد ک نیچے جاچکی ہے۔صرف لاہور کی مثال لیں تو معلوم ہوگا کہ آبادی کی ضرورت کے لیے پانی کے 1800 ٹیوب ویل زمین سے روزانہ 400 کروڑ لیٹر پانی نکال رہے ہیں، جبکہ صنعتی اور کاروباری مقاصد کے لیے کھینچا گیا 150 کروڑ لیٹر پانی اس کے علاوہ ہے۔مزید برآں نجی طور پر لگائی جانے والی پمپنگ موٹریں اس پر مستزاد ہیں۔

زیر زمین پانی نکالا تو جاتا ہے، مگر اسے واپس زمین میں بھیجنے کا انتظام نہیں۔استعمال شدہ سارا پانی نالیوں اور گٹر لائن کے ذریعے گندے نالوں میں چلا جاتا ہے۔یہی حال بارشوں کے پانی کا ہے۔پاکستان کے بعض علاقوں میں معمول کی جو بارشیں ہوتی ہیں؛ ان کا پانی بھی عموماً ادھر ادھر بہہ جاتا ہے۔ماضی میں شہری اور دیہی آبادی میں ایسے تالاب ہوتے تھے جو بارشوں کے پانی سے بھر لیے جاتے تھے، ان کا پانی جانوروں کے پینے اور دوسرے استعمال میں آجاتا تھا۔یہ جمع شدہ پانی زیر زمیں بھی پہنچتا رہتا تھا جس سے آبادی والے علاقوں میں زیر زمین پانی کی سطح متوازن رہتی تھی۔جدید ترقی نے ہمیں اس طرف سے غافل کردیا ہے اور عمومی طور پر اس طرح کے تالاب نایاب ہوگئے ہیں۔

ہمارے ہاں پانی کا ایک بڑا استعمال مساجد و مدارس میں ہے، جہاں طلبۂ کرام اور نمازی حضرات وضو کے لیے بڑے پیمانے پر پانی استعمال کرتے ہیں۔ وضو کے لیے استعمال ہونے والا پانی عموماً مقدار میں زیادہ ہوتا ہے، اور یہ استعمال شدہ پانی نالیوں کے ذریعے گٹر لائن میں شامل ہو جاتا ہے۔ مساجد و مدارس میں یہ صورت حال سامنے آتی رہتی ہے کہ ایک جگہ پانی کا کنواں سوکھ گیا تو دوسری جگہ بورنگ کروانا پڑی۔ حالانکہ وضو کے اسی پانی کو ''پانی چوس'' کنویں کے ذریعے واپس زیر زمین بھیجا جا سکتا ہے۔ جس سے زیر زمین پانی کی سطح بھی بلند ہوگی اور بارش کا پانی بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ''پانی چوس کنواں'' یا ''ریچارج ویل'' الٹے فلٹر'' کے اصول پر کام کرتے ہوئے بارش کے پانی کو چوس کر زیر زمین پانی سے ملا دیتا ہے اور وہ بھی اسٹوریج ٹینک سے انتہائی کم لاگت پر۔ اس سے نہ صرف زیر زمین پانی کی سطح بلند ہو سکتی ہے بلکہ پانی کی کوالٹی بھی بہتر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں معروف ماہر آبپاشی انجنیئر ظفر وٹو صاحب نے عمدہ تجاویز دی ہیں، ان کے بقول: کسی بھی پانی چوس کنویں کے کم سے کم 3 بنیادی حصے ہیں:

پہلا حصہ- پکڑ ٹینک: اس سیٹلنگ ٹینک کا مقصد پانی کو روک کر اس میں سے بنیادی نجاستیں صاف کرنا ہے جیسے مٹی، پتے، تھوک، بلغم وغیرہ۔ اس ٹینک کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی اس میں متوقع طور پر آنے والے پانی کے حجم کے مطابق رکھی جائے گی۔ مثلاً اگر ایک مسجد میں ایک وقت میں 5 ہزار لٹر (500 نمازیوں کا) وضو کا پانی بہہ کر آئے گا تو 6x6x5 فٹ کا پکڑ ٹینک کافی ہوگا۔

دوسرا حصہ- نتھار ٹینک فلٹریشن ٹینک میں ریت بجری اور بجر کی تہیں ایک دوسرے کے اوپر بچھیں گی۔ فلٹر کے اُصول پر کھلے سوراخ والی تہہ (بجر) سے باریک سوراخوں والی تہہ (سیلیکا) کی طرف پانی آئے گا۔ فلٹریشن ٹینک میں سب سے اوپر 9 انچ موٹی بجر کی تہہ، اس کے نیچے 12 انچ موٹی بجری کی تہہ اور سب سے نیچے 12 انچ موٹائی کی سیلیکا ریت کی تہہ بچھے گی۔

تیسرا حصہ- بور یا پائپ فلٹر شدہ پانی بور یا پائپ میں جائے گا جو اسے زیرِ زمین پانی چوس گہرائی تک لے جائے گا۔ یہ گہرائی اردگرد کے بور میں زیرِ زمین پانی کے لیول تک ہو سکتی ہے، تاہم اگر ماضی میں اس بور میں پانی اونچا تھا تو پانی چوس کنویں کا بور اوپر تک بھی چھوڑ سکتے ہیں۔ یہ پانی چوس کنویں کا سادہ ترین ڈیزائن ہے جسے کسی ایکسپرٹ کی نگرانی میں کسی خاص جگہ کے لحاظ سے زیادہ بہتر کیا جا سکتا ہے۔ پانی چوس کنویں کے زیادہ تفصیلی ڈیزائن ہو سکتے ہیں لیکن کم سے کم یہ بنیادی چیزیں ضرور ہونی چاہئیں۔ ہمارے خیال میں جن مدارس و مساجد میں وضو کے لیے پانی کا استعمال زیادہ ہے، انہیں تھوڑی رقم خرچ کر کے پانی چوس کنویں ضرور تعمیر کرنے چاہییں، تاکہ وہ مستقبل میں پانی کی کمی کا شکار نہ ہوں۔

استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد ازہر

استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس، ملتان

جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبہ حفظ وتجوید کے صدر مدّرس اور مجدّ دالقرآت حضرت اقدس مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی نور اللہ مرقدہٗ کے مایۂ ناز وتربیت یافتہ تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری محمد اسحاق ہوشیار پوری 26 ذی الحجہ 1445ھ، 3 جولائی 2024ء بروز بدھ نماز ظہر کے وقت نشتر ہسپتال ملتان میں خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ان اللّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطٰی و کل شئی عندہ باجل مسمّٰی۔

مجدّ دالقرآت حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی قدس سرہٗ کے سلسلہ تحفیظ وتدریسِ قرآن کریم کو حق تعالیٰ شانہٗ نے جو غیر معمولی مقبولیت و برکت اور عظمت وحشمت عطا فرمائی ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ فن تجوید وقراآت کے امام، حدیث وفقہ کے ماہر، ولی کامل اور اعمالِ صالحہ میں مجسّم قرآن تھے، انہیں دیکھ کر ایک ہی تاثر ابھرتا تھا کہ قرآن کریم اور قاری صاحب رحمہ اللہ لازم وملزوم ہیں۔

آپؒ کے چالیس سالہ دورِ تدریس (1362ھ تا 1402ھ) میں آپ سے سینکڑوں قراء اور ہزاروں حفاظ نے استفادہ کیا جو صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے مختلف ممالک، سعودیہ مشرق وسطیٰ، افریقہ اور بلادِ مغرب میں قرآن کریم اور فن تجوید وقراآت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے اخلاص ومحنت، قرآن کریم سے عشق ومحبت اور اُن دعاؤں کے ثمرات ہیں جو وہ تہجد کے وقت اپنے شاگردوں کی کامیابی کے لیے نہایت تضرع وزاری سے کیا کرتے تھے، حضرتؒ کو اپنے تلامذہ سے جو تعلق خاطر تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں اپنی درسگاہ کے کمزور طلبہ کے لیے نہ صرف تہجد میں دعا کرتا ہوں بلکہ حرمین شریفین کی حاضری کے موقع پر ''ملتزم'' پر بھی ان کا نام لے کر درخواست کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں خدمتِ قرآن کریم کے لیے قبول فرمالیں اور ان کی تدریس میں برکت عطا فرمادیں۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی ان دعاہائے نیم شبی کا ایک مظہر جامعہ خیر المدارس کے شعبہ تحفیظ وقراآت کے صدر مدّرس حضرت مولانا قاری محمد اسحاق ہوشیار پوری نور اللہ مرقدہٗ بھی تھے، جنہوں نے اپنے استاذ ومربی حضرت قاری رحیم بخش صاحب قدس سرہٗ کی وفات کے بعد کم وبیش پینتالیس سال تک اس مسند کو آباد رکھا جو اُن کے عدیم النظیر استاذ کی یادگار تھی۔

حضرت قاری محمد اسحاق صاحبؒ کے والد گرامی حضرت مولانا قاری محمد ابراہیم ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے شعبہ حفظ کے استاذ اور ممتحن رہے ہیں جو نہایت نیک سیرت اور متبع سنت بزرگ تھے۔قیام پاکستان کے بعد جامعہ خیر المدارس میں شعبہ حفظ وقراآت کے ممتحن بھی رہے،ان کی تربیت ونگرانی میں پرورش پانے والے 'محمد اسحاق' کو حضرت قاری رحیم بخش جیسے عبقری استاذ نے زرِ خالص سے کندن بنا دیا۔

حضرت قاری محمد اسحاق رحمہ اللہ نے اپنے استاذ و مربی حضرت قاری رحیم بخش قدس سرہٗ کی طرح اُن ہی کے تدریسی قواعد وضوابط اور اصول کے مطابق پوری پوری مواظبت کے ساتھ کم وبیش پینتالیس سال شبانہ روز محنت کے ساتھ خدمت قرآن کریم میں صرف کیے،دورانِ تعلیم تحفیظ کے ساتھ طلبہ کی اصلاح اور اخلاق کی طرف بطور خاص توجہ فرماتے ان کے اعمال وافعال کی نگرانی فرماتے،نہ صرف اپنی درسگاہ بلکہ جامعہ کے دوسرے طلبہ میں بھی کوئی امر قابلِ اصلاح سمجھتے تو......فرماتے،بعض اوقات سرزنش بھی کرتے،آپؒ کی اس مخلصانہ سختی کا منشاء طلبہ کو اپنے اصل مقصد کی طرف متوجہ کرنا اور اتباع شریعت کا ذوق پیدا کرنا ہوتا تھا۔محض اللہ کی رضامندی اور طلبہ کی اصلاحِ حال کی نیت سے دی گئی سزا بھی طلبہ میں آپؒ کی محبوبیت ومقبولیت کا سبب بن جاتی،پانی پتی سلسلہ کے اکثر اساتذہ کرام پر اگرچہ جلالی کیفیت کا غلبہ ہوتا ہے مگر اس سلسلہ کے مخلصین ماہرفن اور طلبہ کی نفسیات کو سمجھنے والے اساتذہ تمام طلبہ کے ساتھ یکساں برتاؤ نہیں کرتے،کسی پر عتاب،کسی پر شفقت،کسی سے نرمی،کسی سے گرمی،پھر اگر ایک موقع پر بوقت ضرورت سختی فرمائی تو بعد میں ایسی ملاطفت اور خندہ پیشانی سے پیش آئے کہ طالب علم پہلی سختی کو بھول جائے۔

احقر راقم السطور کو اپنے اہلِ خانہ سمیت جامعہ کے صدر دروازے کے سامنے والے احاطہ میں واقع مکانات میں حضرت قاری صاحبؒ کی ہمسائیگی میں تقریباً پندرہ سال گزارنے کی سعادت نصیب ہوئی،پڑوسیوں کا ایک دوسرے سے اپنے حالات کا چھپانا قریباً ناممکن ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ابن ماجہ شریف کی ایک روایت کے مطابق ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! میں اپنی نیکوکاری وبدکاری کو کس طرح معلوم کرسکتا ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم کسی کام کے بارے میں اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے ہوئے سنو تم نے اچھا کام کیا تو تمہارا کام اچھا ہے اور جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ تم نے برا کام کیا ہے تو تمہارا وہ کام برا ہے۔(ابن ماجہ)

ظاہر ہے اس ارشاد کا مقصد صرف واقعہ کا بیان نہیں بلکہ پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت کو نہایت مؤثر اور بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اس لیے کہ پڑوسیوں کے محاسن ومعایب ایک دوسرے پر عیاں ہوتے ہیں،حضرت فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کسی گواہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے سوال کیا تو ایک شخص نے کہا کہ وہ عادل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا، آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کبھی کوئی لین دین کا معاملہ پیش آیا؟ اس نے کہا نہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا وہ تمہارا پڑوسی ہے؟ اس شخص نے جواب دیا نہیں، اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ آپ نے ان کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا اس وجہ سے اس کے عادل ہونے کی گواہی دے رہے ہو، اس نے کہا جی ہاں! تو آپ نے فرمایا: ''پھر آپ اس کو نہیں جانتے''۔

حضرت قاری صاحبؒ کے پڑوس میں گزرے ہوئے لمحات اب بھی ان کی عبادت و ریاضت، محبت و اخلاص، حسنِ اخلاق، ضبط و نظم اور ادائے حقوق کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔ پڑوسیوں کے حقوق کا خوب لحاظ فرماتے اور موقع بموقع کبھی بے تکلف اور کبھی پُر تکلف ضیافت بھی فرماتے۔ دونوں گھروں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی اس لیے رات کے تیسرے پہر تین بجے کے قریب حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے ٹائم پیس کا الارم سوئے ہوئے پڑوسیوں کو بھی بیدار کر دیتا تھا۔ ذاکر و شاغل، شب زندہ دار اور صاحبِ عزیمت شخصیت تھے، ہر کام میں اتباعِ سنت کا اہتمام فرماتے۔ دن رات کا زیادہ حصہ تعلیم قرآن کریم میں گزرتا جو سراسر عبادت ہے لیکن اس کے باوجود مسنون تسبیحات، مناجات مقبول، درود شریف اور مختلف مواقع کی مسنون تلاوت کا التزام فرماتے۔ شبِ جمعہ کو مغرب سے عشاء تک اپنی درسگاہ کے طلبہ سمیت درود شریف پڑھنے میں مشغول رہتے۔ جمعہ کے دن عصر تا مغرب طلبہ کی نگرانی کے ساتھ دلائل الخیرات اور درود شریف پڑھنے کی پابندی فرماتے باقی وقت دعاؤں میں صرف ہوتا۔

اب حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ اس دنیا میں نہیں رہے لیکن اگر وہ بقید حیات بھی ہوئے تو ایک پڑوسی کی حیثیت سے ان کی شخصیت کے بارے میں احقر کا تبصرہ یہی ہوتا کہ وہ عبادات، معاملات اور معاشرت کے اعتبار سے دین میں مطلوب مسلمان کے معیار پر پورے اترتے تھے۔ احقر کو ان کے ساتھ ایک سفر حج کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ بعض معاملات بھی پیش آئے۔ اس طرح ''فاروقی معیار تعدیل'' کے مطابق سفر، معاملہ اور پڑوس تینوں لحاظ سے قاری صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت مثالی تھی۔

آپؒ کے استاذ و مربی حضرت قاری رحیم بخش قدس سرہٗ جامع الصفات شخصیت تھے، دینی استقامت، رسوخ باطنی، فنائیت فی القرآن، اتباع سنت، اخلاص و احسان اور دیگر اخلاقِ فاضلہ میں عدیم النظیر اور فائق الاقران تھے۔ ان صفات کی جھلکیاں ان کے تمام تلامذہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ان کے کمالات کا رنگ، اثر اور خوشبو حسبِ استعداد و

صلاحیت اپنے اپنے ظرف کے مطابق ان کے شاگردوں میں آیا ہے کسی میں کم کسی میں زیادہ، تاہم ان کے تمام تلامذہ زہد و اِتّقا اور اوصاف جمیلہ میں حضرت نوّر اللہ مرقدہ کا عکس تھے، بالخصوص وہ حضرات جنہیں حضرت قاری صاحب ؒ کے وصال کے بعد جامعہ خیر المدارس کے شعبہ تحفیظ وقراآت میں خدمت کا موقع ملا اور جنہوں نے اس مسند کو آباد رکھا۔

حضرت قاری محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ تعلیم وتربیت کے باب میں اپنی درسگاہ کے طلبہ اور اپنی ...... اولاد کے درمیان رُو رعایت کے قائل نہیں تھے، بلکہ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دوسروں کی نسبت زیادہ تادیب فرماتے تھے، گھر سے نماز کے لیے مسجد اور مدرسہ میں جاتے ہوئے آپ کے پانچوں صاحبزادے آپ کے پیچھے ایک لائن میں چلتے ہوئے دلکش اور روح پرور منظر پیش کرتے، دورانِ تعلیم صاحبزادگان پر درسگاہ اور گھر میں یکساں کڑی نظر ہوتی، یہاں تک کہ آپ ؒ کے بیٹے گھر میں بھی آپ کو ''ابا جی'' کی بجائے ''قاری صاحب'' کہتے، اسی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے کہ آپ کے پانچوں بیٹے قرآن کریم کے حافظ اور تدریس قرآن کریم میں مشغول ہیں۔ مخلص اور وفادار اساتذہ کرام کسی بھی ادارے کا تعارف اور اس کے روح رواں ہوتے ہیں ایسے مخلص خدّام کی جدائی کا فطری طور پر سب سے زیادہ صدمہ مدرسہ کے منتظمین کو ہوتا ہے۔ حضرت قاری محمد اسحاق صاحبؒ کی رحلت پر جامعہ کے تمام اساتذہ کرام کی طرح جامعہ کے مہتمم مخدوم ومکرم حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم بھی نہایت غمزدہ تھے۔ طبیعت پر بہت اثر تھا، راقم کو یاد ہے کہ حضرت قاری رحیم بخش رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت مولانا قاری عبیداللہ رحیمی رحمہ اللہ کی نمازِ جنازہ بھی حضرت مہتمم صاحب زیدمجدہم اسی کیفیت غم میں روتے ہوئے پڑھائی۔ یہی کیفیت حضرت قاری محمد اسحاق صاحب کی نمازِ جنازہ میں بھی نظر آتی رحمه الله رحمة واسعة واسكنه فسيح جناته۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی نمازِ جنازہ 27 ذی الحجہ 1445ھ بروز جمعرات صبح آٹھ بجے جامعہ خیر المدارس میں ادا کی گئی۔ جس میں ملک کے طول وعرض سے ہزاروں مسلمانوں اور حضرت قاری صاحبؒ کے تلامذہ ومحبین نے شرکت کی۔ شرکاء جنازہ کی تعداد منتظمین کے اندازوں سے زیادہ رہی۔ بے شمار افراد نے جامعہ کے باہر سڑکوں پر اقتدا کی جس کا سلسلہ چوک منظور آباد تک چلا گیا تھا۔ اسی طرح جامعہ کی مسجد بھی جنازہ پڑھنے والوں سے بھر گئی تھی۔ یہ اہلِ اسلام کا قرآن اور اہل قرآن سے محبت وعقیدت کا اظہار تھا جو انہیں دور ونزدیک سے کشاں کشاں خیر المدارس لے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحبؒ کی تمام حساب کو قبول فرما کر انہیں اعلیٰ علیّین میں اپنے اکابر اساتذہ اور بزرگوں کی رفاقت نصیب فرمائیں اور جامعہ خیر المدارس کے اس نقصان کی تلافی غیب کے خزانوں سے فرمائیں۔ آمین۔

مقالات ومضامین

تعارف وخدمات

وفاق المدارس العربیہ پاکستان ملتان

تحریر: مولانا عبدالمجید خان
ناظم مرکزی دفتر وفاق المدارس ملتان

قرآن وحدیث کی تعلیمات کے بغیر کسی اسلامی معاشرہ کی بقاء اوراس کے قیام کا تصورنہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی تعلیمات ہی پر کسی اسلامی معاشرہ کی بنیاد اورداغ بیل ڈالی جاسکتی ہے۔قرآن وحدیث اسلامی تعلیمات کا منبع ہیں اور دینی مدارس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے ماہرین ،قرآن وحدیث پر گہری نگاہ رکھنے والے علماء اورعلوم اسلامیہ میں دسترس رکھنے والے رجال کار پیدا کئے جائیں۔ جوآگے مسلمان معاشرہ کا اسلام سے ناطہ جوڑنے ،مسلمانوں میں اسلام کی بنیادی اورضروری تعلیم عام کرنے اوراسلامی تہذیب وتمدن کی ابدی صداقت کو اجاگر کرنے کا فریضہ انجام دیں۔

برصغیر میں دینی روایات اوراسلامی اقدار کے تحفظ وسربلندی کے لئے علماءحق نے جومجاہدانہ وسرفروشانہ کردارادا کیا ہے، وہ تاریخ کا ناقابل فراموش باب ہے۔مشیت خداوندی نے برصغیر کے اہل علم کے لئے یہ سعادت مقدر کی کہ انہوں نے مآثر اسلامیہ کی حفاظت کے لئے دیگر عالم اسلام کے طریق سے ہٹ کرمدارس دینیہ کے قیام واستحکام کا بےنظیر کارنامہ سرانجام دیا۔ مدارس دینیہ کی یہ عظیم طاقت مختلف حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد اکابر علماء دیوبند نے مسلمانانِ پاکستان کے اسلامی تشخص کو برقراررکھنے' مملکتِ خداداد پاکستان میں دینی مدارس کے تحفظ واستحکام اور باہمی ربط کومضبوط بنانے اورمدارس کومنظم کرنے کے لئے ایک تنظیم کی ضرورت محسوس کی۔

چنانچہ اسی مقصد کے لئے اکابرعلماء دیوبند کا اجلاس جامعہ خیرالمدارس ملتان میں 20 شعبان المعظم 1376ھ مطابق 22 مارچ 1957ء کو استاذ العلماء حضرت مولانا خیرمحمد جالندھری نوراللہ مرقدہ کی صدارت میں منعقد ہوا اور ایک تنظیمی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ تنظیمی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ 14-15 ربیع الثانی 1379ھ مطابق 19-18 اکتوبر 1959ء میں باقاعدہ طور پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نام سے ایک ہمہ گیر تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں وفاق کے دستور کی منظوری کے ساتھ ساتھ تین سال کے لئے عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔ صدر وفاق: شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، نائب صدر اول استاذ العلماء حضرت مولانا خیرمحمد جالندھری رحمۃ

اللہ علیہ، نائب صدر دوم محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، ناظم اعلیٰ: محمود الملۃ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، خازن: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ۔حق تعالیٰ شانہ نے وفاق کے قیام کا عظیم کام ان مقتدر و مقبول ہستیوں سے لیا۔

ملک گیر سطح پر تمام دینی مدارس کی ایسی فعال اور مربوط تنظیم کی مثال دیگر اسلامی ممالک میں نہیں ملتی۔ یہ امتیاز صرف پاکستان کے دینی مدارس کو حاصل ہے کہ وہ ایک مربوط تعلیمی نظام سے وابستہ ہیں اور کتاب وسنت کی ترویج واشاعت اور شعائر اسلام کے تحفظ وبقاء کے لئے ان کی آواز ایک ہے۔

پاکستان کی تاریخ میں متعدد حکومتوں نے دینی مدارس کو کچلنے اوران کی آزادی کو پامال کرنے کی مختلف کوششیں کی ہیں،مگر بحمد اللہ وفاق المدارس نے ایسے ہر موقع پر مدارس کو حکومتی مداخلت اور سرکاری دستبرد سے بچانے کے لئے اپنا فریضہ نہایت دیانت وجرأت سے انجام دیا اوران شاء اللہ آئندہ بھی دینی مدارس کے تحفظ وبقاء کے لئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان اسی طرح اپنا کردار ادا کرتا رہے گا۔

وفاق المدارس نے دینی مدارس کے تحفظ وبقاء،اہل علم کے درمیان توافق ورابطہ،نظام تعلیم وامتحانات میں یکجہتی ،جامع نصاب کی ترتیب شہادات کے اجراء اور جدید علوم وفنون اور عصری تقاضوں کے مطابق حسب ضرورت اب تک جو اقدامات کئے ہیں وہ بلاشبہ تاریخ ساز ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان اِس وقت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (صدرِ وفاق)،حضرت مولانا انوارالحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ (سینئر نائب صدر) اور حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم العالیہ (ناظم اعلیٰ وفاق) کی قیادت میں دینی خدمات سرانجام دے رہاہے اور ملک کا سب سے بڑا دینی تعلیمی بورڈ ہے۔جس کے تحت چھبیس ہزار چوبیس (26,024) مدارس وجامعات مع شاخہائے کام کررہے ہیں۔ان مدارس میں دولاکھ گیارہ ہزار تین سو اٹھاون (211358) اساتذہ کرام ودیگر عملہ خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔جبکہ اڑتیس لاکھ ترانوے ہزار چھبیس (3893026) طلبہ/طالبات زیر تعلیم ہیں۔

وفاق المدارس سے اب تک فارغ التحصیل ہونے والے علماء کی تعداد ایک لاکھ چھیاسی ہزار ایک سو پچھتر (186175)، عالمات کی تعداد دو لاکھ پینتالیس ہزار آٹھ سو ترانوے (245893) ہے۔حفاظ کی تعداد گیارہ لاکھ تینتیس ہزار چھ سو ستر (1133670) ہے اور حافظات کی تعداد دو لاکھ چھیانوے ہزار پانچ سو چھ (296506) ہے۔

ضابطہ کار:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا صدر دفتر ملتان میں ہے۔اس کا دائرہ کار اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے، البتہ مجلس عاملہ کی منظوری سے بیرونی ممالک کے دینی مدارس وجامعات کا الحاق بھی ’’وفاق‘‘ کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔
وفاق المدارس کی اصل قوت اس کی مجلس شوریٰ ہے اور وہی وفاق کے اغراض ومقاصد کی تکمیل کی نگران ہے اور وفاق کے عہدیداران کا انتخاب مجلس عمومی کرتی ہے۔مجلس عاملہ ’’وفاق‘‘ کے نظم ونسق کی ذمہ دار ہے۔’’وفاق‘‘ کے انتظامی امور کے نگران صدر وفاق ہیں۔صدر وفاق کی طرف سے مفوضہ امور سرانجام دینا۔جبکہ ناظم اعلیٰ، وفاق کے انتظامی و امتحانی امور کے ذمہ دار ہیں اور ناظم مالیات ’’وفاق‘‘ کے مالیات وحسابات کے ذمہ دار ہیں۔

’’وفاق المدارس العربیہ پاکستان‘‘ ایک خالص تعلیمی اور غیر سیاسی تنظیم ہے۔جس کا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہ ہے اور وفاق بحیثیت وفاق نہ کوئی سیاسی موقف اختیار کرتا ہے نہ ملکی سیاست کے کسی مسئلہ میں اظہار رائے کرتا ہے اور نہ ہی اس بارہ میں ملحقہ مدارس وجامعات کو کوئی ہدایت جاری کرتا ہے۔

وفاق کا مسلک:

’’وفاق المدارس العربیہ‘‘ کا مسلک عقائد اہل السنۃ والجماعۃ وفقہ حنفی کے مطابق ہوگا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اغراض ومقاصد:

(۱) ملحقہ جامعات و مدارس عربیہ کے جملہ درجات بشمول تکمیل وتخصص وتدریب المعلمین والمعلمات کے لئے جامع نصاب تعلیم مرتب کرنا اور امتحانات میں کامیاب طلبہ وطالبات کو شہادات (اسناد) جاری کرنا۔

(۲) مدارس عربیہ وجامعات میں باہمی اتحاد وربط پیدا کرنے کی کوشش اور ان کو منظم کرنا۔

(۳) مروجہ نصاب تعلیم میں جدید دینی تقاضوں کے مطابق مناسب وموزوں تصرف کرنا اور حسب ضرورت کتب طبع کرانا۔

(۴) وہ مدارس وجامعات جو اس وفاق سے الحاق کریں ان میں نصاب تعلیم، نظام تعلیم اور امتحانات میں باقاعدگی، یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنا۔

(۵) جدید عصری تقاضوں کے مطابق تعلیمات اسلامیہ کی ترویج اور نشر واشاعت اور اہم موضوعات پر مستند اور تحقیقی کتابیں تالیف وتصنیف کرانا۔

(۶) مدارس دینیہ وجامعات کے تحفظ وترقی اور معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لئے صحیح اور موثر ذرائع اختیار کرنا۔

(۷) تربیت المعلمین والمعلمات کا موثر ومناسب انتظام کرنا۔

وفاق المدارس کے امتحانات کا دائرہ کار:

وفاق المدارس کے اغراض ومقاصد میں اہل علم کے درمیان توافق ورابطہ، نظام تعلیم میں یکسانیت اورامتحانات و نصاب میں یکجہتی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ان امتحانات میں ہر سال ملک بھر کے مدارس وجامعات کے دولاکھ سے زائد طلبہ وطالبات شرکت کرتے ہیں۔انتظامی طور پر یہ ایک مشکل کام ہے کہ خیبر سے کراچی اور کوئٹہ سے گلگت تک تمام مدارس وجامعات کے طلبہ ایک مقررہ تاریخ اور معین وقت میں متعین مراکز کے اندر جمع ہو کر اس شان سے امتحان دیتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں پرچہ سوالات پورے ملک کے طلبہ کے ہاتھوں میں پہنچتا ہے۔''وفاق المدارس'' کے امتحانات میں نگران اعلیٰ ومعاون نگران اجنبی اور دیانت دار علماء ہوتے ہیں۔جن سے کسی ناجائز مراعات کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔طلبہ وطالبات صرف اپنی ذاتی استعداد وقابلیت ہی سے پرچہ حل کرتے ہیں۔امتحان کا مقررہ وقت ختم ہوتے ہی ہر مرکز کے ناظم امتحان تمام کاپیوں کے بنڈل کو سیل کر کے اسی وقت دفتر وفاق کو رجسٹری کر دیتے ہیں۔حکومت اپنے تمام تر وسائل کے باوجود انتظامی دشواریوں کے باعث ہر ڈویژن میں الگ تعلیمی بورڈ قائم کرتی ہے جو کہ ایک وقت میں ایک کلاس کا امتحان لیتے ہیں۔مگر بحمداللہ ''وفاق المدارس'' ملکی سطح پر ایک ہی وقت میں تمام درجات کا امتحان لیتا ہے اور ایک ماہ کے اندر نتائج کا اعلان کرتا ہے۔

امتحانی مراکز سے جوابی کاپیاں دفتر وفاق کو موصول ہونے کے بعد طالب علم کے نام اور رول نمبر کی چٹ، جوابی کاپی سے الگ کر کے فرضی نمبر لگا دیے جاتے ہیں۔جس کے بعد کسی شخص کے لئے کاپی کی شناخت ممکن نہیں۔جوابی کاپیوں کی مارکنگ دفتر وفاق المدارس میں امتحانی کمیٹی کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ممتحنین حضرات وفاق کی طرف سے مقرر کردہ تعداد اور معیار کے تحت جوابی کاپیوں پر صرف طالب علم/طالبہ کی محنت واستعداد کے مطابق نمبر لگاتے ہیں۔ ہر درجہ میں بیس سے پچیس ممتحنین پر ایک ممتحن اعلیٰ مقرر کیا جاتا ہے۔جو ممتحنین کے چیک کئے ہوئے بعض پرچوں پر نظر ثانی کرتے ہیں۔اور اگر ان کی مارکنگ کے معیار میں کمی وبیشی ہو تو بروقت تنبیہ کرتے ہیں۔معیار کا جائزہ لینے کے لئے صدر وفاق اور ناظم اعلیٰ وفاق بھی مارکنگ کے دوران، مرکزی دفتر میں موجود رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً چیک شدہ پرچوں کا معائنہ فرماتے ہیں۔

''وفاق المدارس'' کے اس محفوظ اور ہر طرح سے قابل اعتماد نظام امتحانات میں کسی طالب علم یا مدرسہ کے ساتھ رعایت کئے جانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔چنانچہ مشہور ومعروف جامعات کے ساتھ ساتھ گم نام اور غیر معروف

مدارس کے طلبہ وطالبات بھی امتیازی پوزیشن حاصل کرتے رہتے ہیں۔

وفاق المدارس کے سالانہ امتحانات 1445ھ /2024ء کے لئے مدارس وجامعات سے پانچ لاکھ ترانوے ہزار پانچ سو باسٹھ (593562) طلبہ /طالبات کے داخلے موصول ہوئے۔شرکاء کی تعداد 569082 تھی جن میں سے 466623 کامیاب ہوئے ۔کامیابی کا تناسب 82 فیصد رہا۔ان طلبہ و طالبات کے لئے تین ہزار چار سوسات (3407) مراکز امتحان قائم کئے گئے۔امتحانی نظم کو ضلعی سطح پر مسئولین کے ذریعے مرکزی دفتر سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔

وفاق المدارس کا نظام تعلیم:

وفاق کی کوشش یہ ہے کہ ایسا مبارک ومسعود نظم اور اتحاد ملک کے تمام مدارس وجامعات میں پیدا ہوجائے کہ ایک ہی نصاب تعلیم اور ایک ہی نظام تعلیم ہو۔اسباق کے آغاز ،تعطیلات ، سہ ماہی وششماہی اور سالانہ امتحانات کی تاریخ یکساں ہواوراسی طرح تمام مدارس کے نتائج کا اعلان بھی ایک ہی وقت میں ہو۔غرضیکہ ہر مدرسہ میں انتظامی اور تعلیمی قواعدوضوابط ایک ہوں اورتمام مدارس کے اساتذہ وطلبہ یکساں طور پران کے پابند ہوں۔ ہر مدرسہ میں طلبہ کے داخل و خارج کے فارم، رجسٹر حاضری مدرسین وطلبہ بھی ایک ہی ہوں ۔ایک قسم کے تصدیق نامے (سرٹیفکیٹ) کے ذریعے طلبہ ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں منتقل ہوں ۔ ہر مدرسے کے مدرسین وطلبہ کے حقوق بھی یکساں متعین ہوں اور وہ یکساں طور پرادا کیے جاتے ہوں۔کوئی کسی پرزیادتی اور تعدی بھی نہ کرسکےاورکوئی کسی کے ساتھ ناجائز مراعات بھی نہ کرسکے۔سب ایک ہی مقصد اللہ کے دین کی حفاظت اور اعداء دین کے حملوں سے اس کو بچانے کے لئے جمع ہوں۔ پڑھنے والے صرف اسی غرض کے لئے پڑھیں، پڑھانے والے پڑھائیں، انتظام کرنے والے اسی مقصد وحید کے لئے جدوجہد کریں اور مالی امداد کرنے والے اسی واحد غرض وغایت کے لئے امداد کریں۔اس نصاب تعلیم ،امتحانات میں باضابطگی ،قواعد وضوابط کی پابندی اور مرکزی طاقت وفاق کی کڑی نگرانی کے بعد کسی بھی مہتمم ، مدرس یا ممتحن کے لئے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ اپنے شخصی تعلقات یا مصالح کی بناء پر کسی بھی نااہل طالب علم کو مدرسہ میں داخل یا امتحانات میں کامیاب کراسکے۔

یہ حقیقت تو اس قدر قطعی اور یقینی طور پر مسلم ہے اور بحث سے بالاتر کہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں مطمئن اور باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے بقاء باہمی کے اصول پر جماعتی اتحاد وتنظیم ازبس ضروری ہے اور یہ تنظیم جس قدر محکم اور ہمہ گیر ہوگی اسی قدر آفات ومصائب سے تحفظ اور ترقی وکامرانی کی زیادہ ضامن ہوگی۔آج کے دور میں انفرادی

طاقت کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو بقاء وتحفظ کے بارے میں قطعاً نا قابل اعتماد ہی نہیں بلکہ نا کام ہے۔ آج طاقت، اجتماعی طاقت اور مستحکم تنظیم کا دوسرا نام ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں کام کرنے والوں کی یونینیں اور سوسائٹیاں نہ ہوں۔ اسی عالم گیر اصول کے تحت مدارس عربیہ کا بھی فرض ہے کہ ہر مدرسہ اگرچہ وہ اپنے وسائل وذرائع اور اثر ورسوخ کے اعتبار سے کتنا ہی مستغنی اور بے نیاز،، کیوں نہ ہو اس کو بھی اپنی ''انفرادیت'' ختم کرکے اور کسی مستحکم جماعتی تنظیم میں شامل ہو کر اپنے نہ سہی اپنے ہم مسلک مدرسوں کی بقاء وتحفظ اور مفاد کی خاطر اس تنظیم کو زیادہ سے زیادہ قوی اور مستحکم بنانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے ,, **تعاونوا علی البر والتقویٰ**،،۔

ملک کے تمام مدارس وجامعات اس یکجہتی، ہم آہنگی اور نظم وضبط کے بعد ''**کجسد واحد**'' ایک ہوں۔ اگر کوئی اندرونی یا بیرونی طاقت کسی بھی مدرسہ کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانا چاہے تو تمام مدارس ملحقہ اور ان کا مرکز'' وفاق'' پوری قوت کے ساتھ اس کا دفاع کریں گے۔

امتحانی لطیفے

ایک صوفی منش استاد کے بارے میں مشہور تھا کہ امتحان ہال میں کوئی آپ سے کچھ پوچھتا ہے تو اشارۃً بتادیتے ہیں، ترجمہ قرآن کے پرچے میں ایک طالب علم نے کھڑے ہو کر پوچھا حضرت "**تَخۡرُصُوۡنَ**" کا ترجمہ بتادیجیے، حضرت نے چلتے چلتے فرمایا: بھئی ہم تو گمان واندازے سے ہی بتاسکتے ہیں، یہ فرما کر حضرت آگے چلے گئے، تھوڑی دیر بعد جب واپس تشریف لائے تو وہ طالب علم پھر کھڑا ہوا اور کہنے لگا: حضرت گمان اور اندازے سے ہی بتادیجیے "**تَخۡرُصُوۡنَ**" کا ترجمہ!۔

ترجمہ قرآن کے پرچے میں ایک بچے نے "**وَمَآ اَدۡرٰٮكَ مَاهِيَه**" کے ترجمہ میں لکھا: ''اور کیا جانے تو کیا ہے مچھلی پکڑنے والا''۔ یعنی ماہیہ کا ترجمہ ماہی گیر سے کردیا

ایک طالب علم سے زبانی امتحان میں پوچھا گیا کہ جو کچھ مناسب سمجھتے ہو بتاؤ....

تو اس نے جھٹ سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنۡ صَمَتَ نَجَا**۔

اس کے بعد ممتحن نے اس سے مزید سوال کرنے کی جسارت نہ کی۔

رودادِاجلاس مہتممین و منتظمین مدارس ضلع پشاور

مولانا مفتی سراج الحسن

آج مؤرخہ 06 جون بروز جمعرات مجلس شوریٰ علمائے پشاور کا ایک بڑا اجلاس بمقام دارالعلوم سرحد آسیہ گیٹ منعقد ہوا،جس کی صدارت مجلسِ علمائے پشاور کے صدر حضرت مولانا رفیع اللہ قاسمی صاحب نے کی، اجلاس میں جامعہ شاہ ولی اللہ اور مسجد غلام جیلانی کی بندش سے لے کر اب تک صورتحال اور پیش رفت کا جائزہ لیا گیا اور شرکائے اجلاس کو اب تک کی تازہ ترین اور پیش رفت سے صورتحال سے بھی آگاہ کر کے اعتماد میں لیا گیا۔ اجلاس سے ناظم وفاق المدارس صوبہ خیبر پختونخوا حضرت مولانا حسین احمد صاحب، شیخ الحدیث مولانا احسان الحق صاحب، شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عبدالستار مروت صاحب، سابق صوبائی وزیر اوقاف و رہنما جمعیت علمائے اسلام حضرت مولانا امان اللہ حقانی صاحب، مجلس علمائے پشاور کے صدر حضرت مولانا رفیع اللہ قاسمی صاحب، جمعیت علمائے اسلام پشاور کے امیر مولانا مسکین شاہ صاحب نے خطاب کیا۔ مقررین نے اپنے خطابات میں کہا کہ جمعیت علمائے اسلام اور وفاق المدارس کے ہوتے ہوئے مدارس کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہوگی۔ مدارس کی آزادی اور تحفظ ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ مدارس ہماری ریڈ لائن ہیں۔ کوئی بھی مدارس کو لاوارث نہ سمجھے مدارس کی آزادی و تحفظ پر سمجھوتہ نہ کیا ہے نہ کریں گے اور نہ کسی کو مدارس میں غیر ضروری مداخلت کی اجازت دیں گے۔ مدارس امن وسلامتی کے مراکز ہیں۔ شرح خواندگی بڑھانے میں مدارس کا اہم کردار ہے۔ یہاں مفت میں مسلمانوں کے بچوں اور بچیوں کو تعلیم دی جاتی ہے اور ان علاقوں میں دی جاتی ہے جہاں حکومت کی رسائی نہیں۔ ہر سال میں طلبہ و طالبات میں اضافہ پاکستانی قوم کا مدارس پر اعتماد کی دلیل ہے۔ ہم علمائے دیوبند کے پیروکار ہیں امن، محبت اور صبر وتحمل سے کام لینا ہمارے اکابر کی میراث ہے، تاہم ہماری شرافت کو کمزوری نہ سمجھا جائے۔ دینی مدارس اسلام کے قلعے اور دین کی نشر واشاعت کے مراکز ہیں ان کی آزادی اور حریتِ فکر وعمل کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے گا۔ اس سے قبل بھی دینی مدارس کے خلاف مہم جوئی کی کوششیں کی گئیں لیکن وہ ناکامی سے دوچار ہوگئیں۔ اب بھی اگر کسی بھی شکل میں ایسی کوئی کوشش کی جائے گی تو اس کی بھرپور مزاحمت کی جائے گی اور اس کو کسی صورت بھی کامیاب نہیں ہونے دیا جائے گا۔ ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ خیبر پختونخوا حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے اپنے تفصیلی خطاب میں کہا کہ وفاق المدارس نے مدارس کے تحفظ، آزادی وحریت کو ہر قیمت پر برقرار رکھا ہے۔

ہر قیمت پر مدارس کا دفاع کیا جائے گا۔ وفاق المدارس ہمارے اکابر کی امین جماعت ہے۔آپ نے مدارس کی رجسٹریشن پر تفصیلی بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ یکطرفہ رجسٹریشن پر وفاق المدارس کے تحفظات ہیں۔مدارس کی رجسٹریشن 1860 کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت ہوتی تھی جس میں 2005 میں ترمیم ہوئی۔جو قومی اسمبلی سمیت چاروں صوبائی اسمبلیوں میں منظور ہوئی۔جواب قانون بن چکا ہے ہم اس کے قانون کے پابند ہیں۔وفاقی وزارت تعلیم کے ساتھ رجسٹریشن انتظامی آڈر ہے۔قانون کے ہوتے ہوئے انتظامی آڈر کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ہم رجسٹریشن سے انکاری نہیں تاہم یکطرفہ کارروائی کسی صورت قابل قبول نہیں۔مجلس علمائے پشاور کے صدر حضرت مولانا رفیع اللہ قاسمی صاحب نے جامعہ شاہ ولی اللہ اور مسجد کی بندش کو افسوسناک قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ہم سب کو ان اسباب پر بھی سوچنا چاہیے۔مدارس کے نظام وانصرام میں مزید بہتری پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔انہوں نے مذکورہ مسئلے میں وفاق المدارس اور جمعیت علمائے اسلام کی کوششوں اور کردار کو زبردست الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا۔آپ نے اپنے خطاب میں آپس میں اتفاق واتحاد اور باہمی رابطہ مزید مستحکم کرنے پر زور دیا۔اجلاس کے آخر میں حضرت مولانا امان اللہ حقانی صاحب نے درج ذیل قرارداد پیش کی جس کو شرکاء اجلاس نے متفقہ طور منظور کیا۔

قرارداد"جامعہ شاہ ولی اللہ اور مسجد غلام جیلانی کے مسئلے پر ہم نے حکومت اور ضلعی انتظامیہ کی ہر تجویز کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے بھرپور تعاون کیا ہے لیکن حکومت ابھی تک اپنی ہی تجاویز کو عملی شکل دینے میں ناکام ہے اور ہٹ دھرمی اختیار کرنے والوں کے سامنے بے بس ہے،جس پر ہمارے حلقوں میں تشویش پائی جاتی ہے حکومت اور ضلعی انتظامیہ سے ہمارا مطالبہ ہے کہ چند لوگوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہونے کی بجائے اس مسئلہ کے حل میں مزید تاخیر سے گریز کرے اور مدرسہ اور مسجد کی بندش جلد از جلد ختم کر کے علماء اور مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی تشویش کا خاتمہ کیا جائے۔ شرکائے اجلاس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ خیبر پختونخوا کے ناظم حضرت مولانا حسین احمد صاحب،وفاق المدارس کے میڈیا کوآرڈینیٹر مفتی سراج الحسن صاحب،جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی رہنما حضرت مولانا امان اللہ حقانی صاحب،صوبائی ناظم انتخابات حضرت مولانا احمد علی درویش صاحب جمعیت علمائے اسلام ضلع پشاور کے امیر حضرت مولانا مسکین شاہ صاحب،دارالعلوم سرحد کے شیخ الحدیث حضرت مولانا احسان الحق صاحب،صوبائی ترجمان جمعیت علمائے اسلام جناب حاجی عبدالجلیل جان صاحب،شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالستار مروت صاحب کے علاوہ کثیر تعداد میں مہتممین اور مدارس کے نظماء شریک ہوئے۔

تبصرہ کتب

زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین

تالیف: حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مقدمہ و تصحیح و تعلیقات: ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا۔ صفحات: 411
طباعت: مناسب۔ پیپر اعلیٰ، ملنے کا پتا: خانقاہ سراجیہ نقش بندیہ مجددیہ کندیاں ضلع میانوالی۔ رابطہ نمبر: 0300-6090543

برصغیر کی تاریخ میں حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ایک باکمال صاحب علم وتقویٰ شخصیت گزرے ہیں۔آپ 1551 عیسوی دہلی میں پیدا ہوئے۔آپ کا پورا گھرانہ علم وفضل میں معروف تھا۔اسی ماحول میں پرورش اور تعلیم وتربیت پائی۔بیس بائیس سال کی عمر میں آپ اس وقت کے مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہو گئے تھے۔966ہجری 1588 عیسوی میں آپ نے حرمین شریفین کا سفر کیا۔اور وہاں کبار علماء وشیوخ اور اہل باطن سے استفادہ کیا۔بالخصوص شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ خلیفہ مجاز شیخ علی متقی کی صحبت میں رہ کر حدیث وتفسیر اور تصوف کی کتب بالاستیعاب پڑھیں۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تقریباً دو برس حرمین شریف مقیم رہے۔اس دوران شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر نامور فقہاء ومحدثین،مفسرین اور صلحاء امت سے اکتسابِ فیض کیا۔

زیر نظر کتاب ''زاد المتقین فی سلوک طریق الیقین'' ان ہی علماء وصلحاء کے احوال ومناقب اور ملفوظات کا مرقع ہے۔ اس میں عرب وعجم کے صوفیہ، اہل اللہ اور فقراء کے سبق آموز واقعات ہیں، نیز اس دور کے سیاسی، تاریخی، سماجی اور اجتماعی حالات کا تذکرہ بھی اس کتاب میں موجود ہے۔جس دور میں یہ کتاب لکھی گئی تب پریس نہیں تھا، کتاب کی نقول تیار کی جاتیں اور اہل شوق انہیں خریدتے، اس نقل در نقل میں بعض نسخوں میں بعض فاش قسم کی اغلاط بھی در آئیں، چنانچہ جناب ڈاکٹر محمد نذیر رانجھا صاحب نے زاد المتقین کے فارسی متن کی درستی اور تحقیق کا بیڑا اٹھایا اور اس کتاب پر اس پائے کا تحقیقی کام انجام دیا کہ آپ کو پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی عطا کی گئی۔

جناب رانجھا صاحب نے بڑی محنت سے اس کتاب کے متعدد مخطوبات حاصل کر کے ان کا تقابل کیا اور ایک تحقیقی متن تیار کیا، آغاز میں ایک وقیع مقدمہ لکھا ہے اور آخر میں رجال وکتب اور اماکن (جن کا ذکر کتاب میں ہوا ہے) کے متعلق تحقیقی تعلیقات لکھیں، جس سے کتاب کی افادیت دو چند ہوگئی ہے۔اگرچہ اس کتاب کے متعدد تراجم ہو چکے ہیں، ایک معروف ترجمہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔مگر جناب رانجھا صاحب کے کام کی نوعیت دوسری ہے۔امید ہے کہ اہل شوق کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے، اور اپنے لیے سرمۂ بصیرت بنائیں گے۔

اشتہار